میر نفیس مرحوم کے چھ۶ غیر مطبوعہ مرثیوں کا مجموعہ

نگارِ نفیس

(جلد اوّل)

مرتبہ

حضرت مہذب لکھنوی

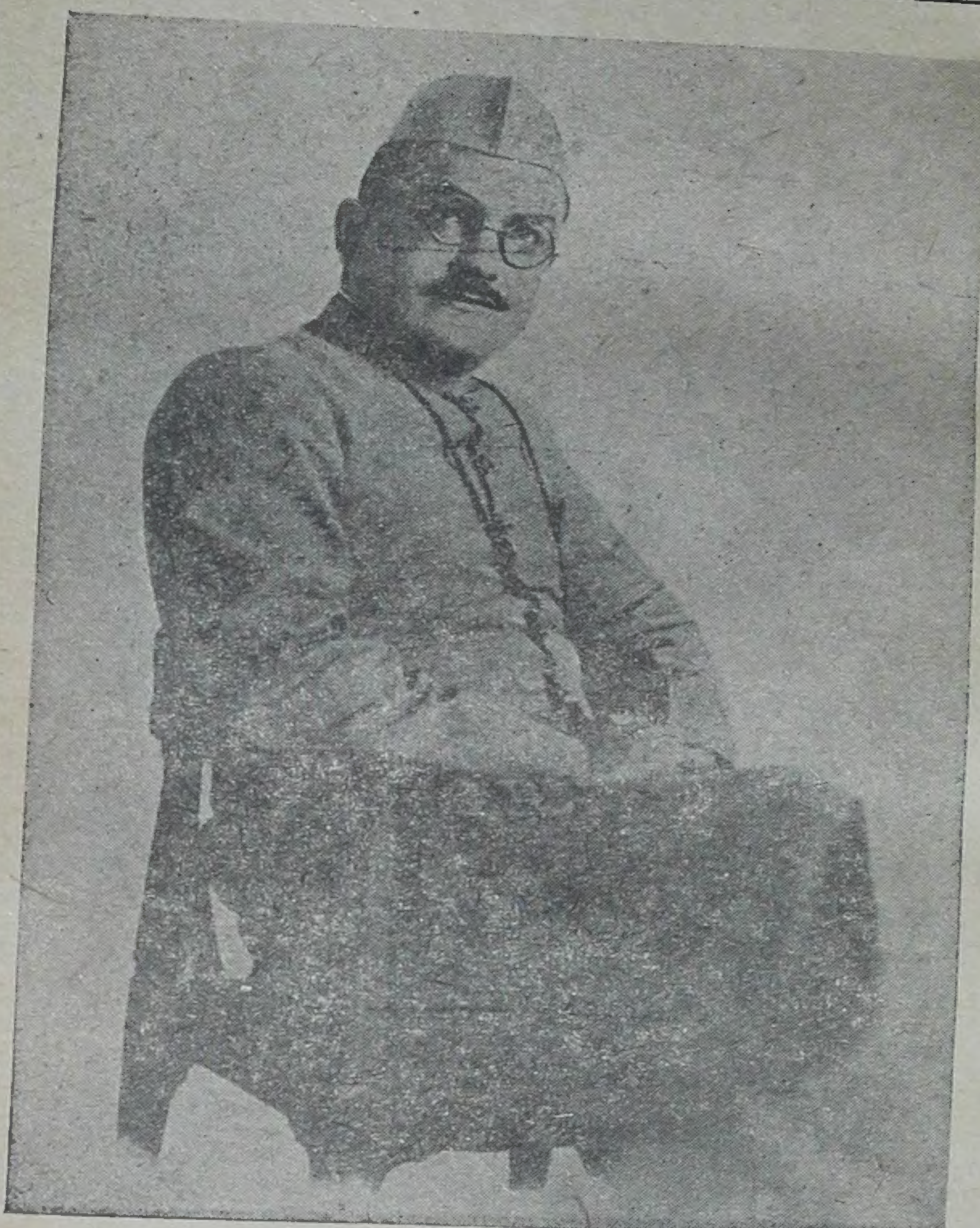
(قیمت فی جلد دو روپیہ)

باسمہ سبحانہ

میں بہ حیثیت صدر انجمن
محافظ اردو لکھنو اپنی اس مخصوص
اشاعت مسمّیٰ بہ نگار نفیس کو فخر قوم
عالی جناب راجہ
سید رفیق حسین صاحب مرحوم و
مغفور (راجہ آف لورپور) کے
نام نامی سے معنون کرتا ہوں

سید محمد میرزا مہذب عفی عنہ
یکم مارچ ۱۹۵۲ء

مطبوعہ سرفراز قومی پریس
لکھنؤ



عالیجناب راجہ سید رفیق حسین صاحب مرحوم
آف لور پور

انجمن محافظ اردو لکھنؤ کی بارہویں خدمت

اور

ماہانہ سلسلۂ اشاعت کی دسویں کڑی

نگارِ نفیس
(جلد اول)

مرتبہ

حضرت مہذب لکھنوی
صدر انجمن محافظ اردو

شایع کردہ

سید حسن الکمال لکھنوی
سکریٹری انجمن محافظ اردو

(قسط ماہ ستمبر سنہ ۱۹۵۱ع)

(مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ)

قیمت فی جلد ... (جملہ حقوق محفوظ) ...

فہرست مراثی نگار نفیس (جلد اول)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

دل پہ چھائی رہے بہارِ نفیس
ہو جو پیشِ نظر نگارِ نفیس

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کسی خاندان میں کوئی فرد کسی خاص ہنر میں کمال کے اعلیٰ ترین درجے پر پہونچ جاتا ہے تو وہ ہنر اُس خاندان میں متعدد پشتوں تک باقی رہتا ہے اور خاندان کے اکثر اہمیت رکھنے والے افراد اُسی ہنر میں ایسی امتیازی استعداد حاصل کر لیتے ہیں کہ دنیا کی نگاہیں اُن پر پڑنے لگتی ہیں اور اُن کے مرنے کے بعد بھی اُن کے کمالات کے چرچے لوگوں میں باقی رہ جاتے ہیں اور ایک کافی عرصہ تک اُن کی یاد دلوں سے فراموش نہیں ہوتی۔

ایسے ہی لوگوں میں میر انیس مرحوم کی ذات بھی تھی۔ انھوں نے مرثیہ گوئی کے ہنر کو ایسے کمال کی منزل تک پہونچایا کہ ان کے زمانے ہی میں اُن کے دونوں حقیقی بھائی یعنی میر اُنس و میر مونس مرحوم بھی اپنے رنگ میں بے مثل مرثیہ گو ہوئے اور یہ فن میر انیس کے خاندان میں پُشت در پُشت کامیابی اور مقبولیت عام کے ساتھ باقی رہا یہاں تک کہ قدرت ہی کے بے بس کرنے والے ہاتھوں کے ذریعہ اس کا اس نسل سے یوں خاتمہ ہوا کہ ان کے آخری جانشین نفیس اولاد سے محروم دنیا سے اُٹھے اور چونکہ اس قسم کی مجبوریوں کا علاج انسان کے مقدور و اختیار سے بالکل باہر ہے لہٰذا ہم یہ سمجھ لینے پر مجبور ہیں کہ مقتضائے مشیت ہی یہ تھا جو ہوا۔

یہ تو دنیا کے کرشمے ہیں۔ نہ دولت کسی خاندان میں ہمیشہ رہنے کی مانند ہے نہ حکومت کی [illegible]

قیام پر مجبور کی جا سکتی ہے۔ غرض کسی قسم کا دنیاوی اقتدار کیوں نہ ہو اس کے لیے کوئی خاندان، کوئی گروہ یا کوئی جماعت ہمیشہ کے لیے مخصوص نہیں رہ سکتی یہ ضرور ہو کہ انیس ایسی باکمال ہستی کی یاد آج بھی ہمارا دل تڑپاتی ہے، انھوں نے ایک مقبول عام فن اور مطبوع زمانہ ہنر کو جس منزل تک پہونچا دیا اُس کے آگے نہ بڑھ سکنے کا ہم کو انتہائی قلق ہے لیکن کاش زمانہ اسی پر اکتفا کرتا تو ہم کو صبر رہتا برخلاف اس کے ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ عروج و زوال کا فلسفہ اور موت و حیات کا کلیہ اس فن ہی کو زیادہ عرصہ تک باقی رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے اور چونکہ یہی دنیا کے کارخانے ہیں اس لیے ہم اس مسئلہ پر زیادہ غور کرنا بھی نہیں چاہتے بلکہ ایسی باتوں کو قدرت کے مصالح کے سپرد کر کے خاموشی ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ البتہ اپنی امکانی دسترس میں کوتاہی قابل ملامت کمزوری اور لائق نفرین بزدلی معلوم ہوتی ہے اور اسی خیال کے ماتحت آج جب کہ ہم مرثیہ گوئی کو زمانے کی ناموافق آب و ہوا سے محفوظ رکھنے پر قادر نہیں ہیں، کم سے کم اتنی ہمت کر رہے ہیں کہ اساتذۂ قدیم کے قابل قدر مرثیوں کو گمنامی کے سمندر میں غرق ہونے سے کچھ دنوں کے لیے اور بچا لیں۔ اسی بنا پر شب و روز اس جستجو میں اپنا عزیز وقت صرف کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے غیر مطبوعہ کلام پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر ہمارا نقطۂ نظر محض تجارت ہوتا تو انیس، اُنس، مونس، نفیس دبیر، عشق و تعشق وغیرہ کی چھپی ہوئی جلدیں جو اب نایاب ہیں اور صاحبان ذوق اُن کے خواہش مند ہیں، ہم اُن کو پہلے چھپوا کر فائدہ اٹھاتے لیکن ہم نے وہ درد سر مول لیا ہے جس کی آج تک کسی نے ہمت نہ کی تھی۔ اس پیش نظر جلد میں میر نفیس مرحوم کے چھ مرثیے شائع کیے جا رہے ہیں جو اب تک غیر مطبوعہ ہونے کی خصوصیت کے پیش نظر انتہائی قدردانی کے مستحق ہیں۔

ہم کو اپنے سابقہ اصول کی بنا پر اپنے دیباچہ میں میر نفیس مرحوم کے حالات اور ان کے کلام پر مناسب محل تبصرہ کرنا چاہیے تھا لیکن ہم اپنے جذبۂ خدمت کی مقبولیت کہیں یا قدرت کی تائید، کہ ہم کو اپنے کار اشاعت میں جو دشواریاں پیش آتی رہتی ہیں اور جن کا بار بار تذکرہ کرنا بھی ہمارے لیے باعث [illegible]

شکر کے لیے ہماری زبان قاصر ہے۔

میر نفیس کے ان پیش نظر چھ مرثیوں میں سے دو مرثیے تو نواب مہدی علی خاں صاحب عرف نواب محمد آغا صاحب دام مجدہم رئیس لکھنؤ سے ہم کو حاصل ہوئے اور چار مرثیے ہمارے محب خاص سید محمد عباس صاحب ایم اے نبیرۂ میر انیس مرحوم اعلی اللہ مقامہ نے ہم کو مرحمت فرمائے جس کے لیے ہم ہر دو حضرات کے دل سے شکر گزار ہیں۔ مزید برآں جناب سید محمد عباس صاحب دام فیوضہم نے از راہ شفقت و ہمدردی ایک مقدمہ بھی تحریر فرما دیا ہے جس میں میر نفیس مرحوم کے ضروری حالات کا ذکر آگیا ہے اور اس کے بعد ہمارے لیے کوئی محل نہ تھا کہ ہم حسب معمول اپنے دیباچہ میں مصنف کلام کے حالات وغیرہ پیش کرتے۔

دوسری بات جو اس پیش نظر جلد کے سلسلہ میں ہمارے لیے باعث صد مسرت و افتخار ہے وہ یہ ہے کہ راجہ سید بادشاہ حسین صاحب دام اقبالہم (راجہ آف نورپور۔ ضلع فیض آباد) نے ہمارے کار اشاعت میں ہماری خاطر خواہ ہمت افزائی فرمائی اور ہماری انجمن کو اپنی سرپرستی قبول فرما کر مزید اعزاز و امتیاز کا شرف بخشا۔

اودھ کے تعلقداروں میں ممدوح الصدر کا خاندان محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے جد راجہ سید توکل حسین صاحب مغفور کی ذات والا صفات اپنی دینداری، خوش انتظامی اور ہوشمندی میں اپنے زمانے کے روسا میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی تھی۔ اُن کے جانشین فرزند راجہ سید رفیق حسین صاحب مرحوم و مغفور بھی اپنے پدر بزرگوار کی طرح جامع اوصاف حمیدہ و خصائل پسندیدہ تھے۔ سب سے بڑی خوبی جو اس خاندان میں رہی اور بحمد اللہ آج بھی باقی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں کے چھوٹے بڑے ہمیشہ معاملات دینی میں اپنا فرض شناسی سے کبھی غافل نہیں ہوئے چنانچہ جہاں آپ کو دیگر روسا کی طرح گھوڑے کی سواری اور شکار وغیرہ کا شوق تھا، ہاں نماز روزے کی پابندی میں بھی انتہائی انہماک پایا جاتا تھا۔ واجبات کے علاوہ اوراد و وظائف کی زیادتی ایک قابل تقلید مثال تھی۔ آپ کو دعائیں پڑھنے کے علاوہ اُن کو اپنے ہاتھ سے نقل کرنے کا بھی بہت شوق تھا

آپ کا عربی خط نہایت پاکیزہ اور خوشنما تھا۔ آپ نے ۵۶ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آخر عمر میں آپ کی ٹانگیں کسی مرض کے اثر سے متاثر ہوگئی تھیں جس کی وجہ سے آپ چلنے پھرنے سے مجبور ہوگئے تھے اور باوجود انتہائی تدابیر کے بھی دفع مرض کی کوئی صورت نہ نکلی۔ ۱۷ر جنوری سنہ ۱۹۵۱ء کو آپ نے انتقال فرمایا اور لاش سونپ دی گئی اور ایک سال بعد یعنی ۱۳ر جنوری سنہ ۱۹۵۲ء کو بمبئی کے بندرگاہ سے روضۂ سید الشہداء علیہ السلام میں دفن ہونے کے لیے روانہ ہوئی۔

اس خاندان میں عزاداری امام مظلوم میں جو خلوص و انہماک پایا جاتا ہے وہ اہل دولت کے لیے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ راجہ سید توکل حسین صاحب مرحوم و مغفور نے ایک امام باڑہ اپنی ریاست میں تعمیر کروایا تھا۔ جو فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور اس کی تصویر بھی ہمارے پاس موجود ہے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے ہم اس کا بلاک اس جلد میں نہ شائع کر سکے۔ مگر انشاء اللہ آئندہ کسی جلد میں ضرور شائع کریں گے۔ تاکہ آخرت پر ایمان رکھنے والے حضرات دیکھیں کہ دنیا میں دولت کے صحیح مصرف کے کیا کیا طریقے ہو سکتے ہیں۔

راجہ سید رفیق حسین صاحب مرحوم و مغفور کو با اختیار ہونے کے بعد تندرستی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا بہت کم موقع ملا لیکن اس قلیل عرصہ میں بھی مرحوم نے اپنے کو ایک عالی دماغ اور خوش فکر رئیس ثابت کیا اور نہایت دینداری کے ساتھ اپنی زندگی کے زمانے کو پورا کر کے آخرت کے ہولناک اندیشوں سے محفوظ رہنے کا یقین یوں کر لیا کہ کربلا کی خاک میں قیامت تک کے لیے سکونت اختیار کر لی۔

راجہ صاحب مرحوم نے ایک صاحبزادی اور دو فرزند دنیا میں اپنی یادگار چھوڑے اور ہم کو یہ کہنے میں ذرا بھی پس و پیش کا محل نہیں کہ ہر دو حضرات قوم کے مایۂ ناز افراد میں ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کی طرح دینی و دنیاوی خوبیوں سے آراستہ۔ بڑے بھائی راجہ سید بادشاہ حسین صاحب دام اقبالہم ریاست کے مالک ہیں اور چھوٹے

بھائی یعنی کنور سید شہنشاہ حسین صاحب دام اقبالہم بڑے بھائی کے قوت بازو اور اپنے علیحدہ تعلقہ کے مالک ہیں اور ہماری انجمن کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہر دو حضرات ہمارے اس کار اشاعت سے بجد مسرور اور ہماری خدمتوں کے انتہائی قدردان ہیں۔ خدا ان کی عمر و اقبال میں ترقی کرے۔

ممدوحان مذکور کے مراحم و الطاف کے اقرار و اعتراف کی بہترین صورت جو ہمارے احاطۂ امکان میں ہو سکتی تھی وہ یہ تھی کہ ہم اس خاندان کے اخلاق و اوصاف ہر خاص و عام کے سامنے پیش کر کے گزرے ہوئے افراد کی یاد تازہ کریں۔ اور موجودہ حضرات کی خوبیوں کو قابل تقلید مثال بنائیں چنانچہ اس مسئلہ میں راجہ سید بادشاہ حسین صاحب اور کنور سید شہنشاہ حسین صاحب دام اقبالہما کو ہم نے نہایت منکسر المزاج پایا اور اگرچہ ہماری خواہش یہی تھی کہ ہم اپنی اس پیش نظر اشاعت کو انھیں حضرات کے نام نامی سے معنون کریں لیکن ان حضرات نے اپنی حق شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے ہم کو ہمارے اس ارادہ سے باز رکھنے کے لیے اصرار کیا بنابراں ہم نے بھی اُن کے اس فعل کو ان کی انتہائی سعادت مندی اور فرض شناسی پر محمول کرتے ہوئے اپنی اس پیش نظر اشاعت کو ان کے پدر مرحوم راجہ سید رفیق حسین صاحب رفع اللہ درجہ کے نام نامی سے معنون کر دیا اور فضائل و مصائب شہدائے کربلا کے مطالعہ سے جو ثواب آخرت ہماری اس اشاعت کے ذریعہ ارحم الراحمین عطا فرمائے گا وہ اُن مرحوم کی روح کو بخش دیا۔ خدائے برحق ہمارے اس پُرخلوص عمل کو قبول فرمائے۔

مقدّمہ

(نوشتۂ جناب سید محمد عباس صاحب۔ ایم۔ اے)

حدیث قدسی میں جناب رب العزت کا ارشاد ہے "عبدی کن لی اکن لک" یعنی میرے بندے تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں گا۔ گو تمام انبیاء اوصیا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا اس پر عمل رہا اور ان کی نماز ان کے دیگر عبادات ان کی حیات ان کی موت غرض ان کا سب کچھ اللہ کے لیے تھا اور ان کی بازگشت بھی اسی کی جانب ہوئی مگر سید الشہدا جناب امام حسین ابن علیؑ نے جس طرح اس پر عمل کرکے دکھا دیا اہل ظاہر کے لیے مقام حیرت اور اہل باطن کے لیے نمونۂ عمل ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے تحفظ اسلام اور رضائے الٰہی کے لیے اپنے اصحاب اعزا کا قتل اپنے دل کے ٹکڑوں کی حسرت ناک موت اپنی اور اپنے اصحاب اہلبیت کی تین روز کی مسلسل بھوک پیاس اپنی بے حرمتی بزرگوں کی بے قیمتی مال و اسباب کی تباہی بربادی اہل حرم کی اسیری و بے پردگی قبول فرمائی اور ان مصائب و آلام میں مبتلا ہو کر بھی یہی کہتے رہے کہ ہم خدا کے لیے ہیں اور ہماری بازگشت خدا کی جانب ہے۔ دنیا حسینؑ کے اس کارنامہ سے انگشت بدنداں ہے۔ آپ کا یہ عمل محض خدا کے لیے تھا اور اس میں مادیت و دنیاداری کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ اب جناب رب العزت پر جو صادق القول ہے واجب ہوا کہ اپنے وعدہ "میں تیرا ہو جاؤں گا" کو پورا کرے اس نے بھی اس کو ایفا کرنے کے سامان و اسباب مہیا کر دیے۔ سب سے پہلے حسینؑ کے دشمنوں اور قاتلوں سے ایسا زبردست انتقام لیا کہ دنیا لرزہ بر اندام ہو گئی۔ اس کے بعد حسینؑ کے نام اور کام کی بقا و تحفظ کے لیے اس نے اسباب مہیا کیے اس لیے کہ دشمنوں کو اس بات کی کد تھی کہ حسینؑ کا نام صفحۂ ہستی سے محو ہو جائے اور آپ کی یہ عظیم الشان قربانی رائگاں ہو۔ حسینؑ کے دشمن افراد میں ہر زمانے میں نے جتنا جتنا حسینؑ کے نام کو مٹانا اور آپ کے کام کو چھپانا چاہا اتنا ہی اللہ نے آپ کے نام کو بھلائی دراصل ہے، کام کو روز روشن سے زیادہ واضح اور نمایاں کر دیا۔ نتیجہ میں آج خود اللہ اور اس کے

رسولؐ سے بھی لوگ اتنا واقف نہیں ہیں جتنا حسینؑ اور اُن کے کام سے واقفیت رکھتے ہیں جاہل و عالم مسلم و غیر مسلم متمدن اور غیر متمدن ہر ایک حسینؑ کا مداح اور عزادار بنا ہوا ہے۔

اس نے حسینؑ کے نام اور عظیم الشان کارنامہ کے تحفظ کے لیے شعرائے عرب و ایران و ہند کے دلوں میں حسینؑ کے مصائب و مناقب نظم کرنے کا شوق پیدا کیا پھر رؤسا اور شاہانِ وقت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور ان اہل دولت و ثروت نے حسینؑ کے مداحوں اور مرثیہ خوانوں کی قدردانی اور ہمت افزائی کی جس کے نتیجہ میں واقعاتِ کربلا کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہوئی۔ ایران میں محتشم اور مقبل سرآمد مرثیہ گویاں ہوئے ان کی ترقیاں اور پابندیاں دیکھ کر دوسرے شعرا کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی اور ایک کثیر تعداد ایسے شعرا کی ہوگئی جنھوں نے مرثیہ گوئی اور مدحِ اہلبیتؑ اپنا شعار بنا لیا۔

ہندستان میں دکن سے مرثیہ گوئی کی ابتدا ہوئی۔ دکن کے شعرا اور سلاطین و امرا نے حسینؑ کے مرثیے نظم کیے اور واقعاتِ کربلا کی اشاعت کی۔ پھر پنجاب دہلی اور اودھ میں اُردو کے اکثر شعرا نے مرثیے نظم کیے۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ دیگر اصنافِ نظم سے زیادہ مرثیہ گوئی کی طرف شعرا کو توجہ ہوگئی۔ اور انھوں نے عزاداریِ امام کو فروغ دیا شاہانِ اودھ نے خود بھی مرثیہ گوئی کی اور شعرائے مرثیہ گو کی بھی قدردانی کی جس نے خلیق ضمیر دلگیر اور فصیح ایسے باکمال مرثیہ گو پیدا کر دیے۔ ان کے بعد میر ضمیر کے شاگرد مرزا دبیر اور میر خلیق کے فرزند میر انیس نے تو اس صنفِ نظم کو معراجِ کمال پر پہونچا دیا۔ میر انیس اور مرزا دبیر کا عروج دیکھ کر اکثر شعرا نے غزل گوئی ترک کر کے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی شروع کر دی بعض غیر مسلم شعرائے اُردو نے بھی مرثیے نظم کیے اور پڑھے اور اس طرح مرثیہ کے ذریعہ سے ہندوستان میں حسینؑ کے نام اور ان کے کارنامہ کی اشاعت و تبلیغ ہوئی۔ اب ہندستان کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ "یا حسینؑ" کے نعروں سے گونج رہا ہے اور کسی عزادار کا گھر ایسا نہ ہوگا۔ جہاں میر انیس یا مرزا دبیر کا مرثیہ موجود نہ ہو۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیے جن سے واقعاتِ کربلا کی اشاعت ہوتی ہے اگر حسبِ منشائے حسینؑ ہیں تو حسبِ منشائے خدا بھی ہوں گے اور اس کو عزیز ہوں گے اور ان کی بقا و تحفظ بھی اس پر واجب ہوگا۔ لہٰذا حسب

زبان میں یہ مراثی نظم ہیں اس کی بقا بھی انہی پر واجب ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ زبان اُردو جس کی عمر اس وقت دو سو برس سے زائد نہ ہوگی اور دنیا کی دوسری زبانوں سے بہت کم سن ہے اتنا جلد منازل ترقی طے کرکے اور زبانوں کے دوش بدوش آگئی ہے کہ آج دنیا کی متمدن زبانوں میں انگریزی کے بعد اسی کا نمبر ہے اور دنیا کے چودہ کروڑ نفوس اس میں گفتگو کرسکتے ہیں۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اگر اُردو زبان میں مرثیہ کا لٹریچر نہ ہوتا تو اُردو میں کچھ نہ تھا۔ میر انیسؔ مرزا دبیرؔ ان کی اولاد اور دوسرے مرثیہ گویوں نے اپنے مرثیوں کے ذریعہ سے اس کو دنیا کی زبانوں میں ممتاز کردیا۔

خدا نے حسینؑ کے نام کی اشاعت کے لیے جس فرد یا خاندان سے جب تک خدمت لینا چاہی لیتا رہا جب اس کی مصلحت نہ ہوئی اس خاندان کے افراد کو دوسرے کاموں کی طرف متوجہ کردیا۔ تذکروں سے اور میر انیسؔ کے بعض مراثی سے معلوم ہوتا ہے کہ مداحان اہلبیتؑ کا سب سے پُرانا خاندان خانوادہ میر انیسؔ مرحوم ہے جہاں تقریباً دو سو برس سے مرثیہ گوئی کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ میر ضاحک مرحوم سے اس خاندان میں مرثیہ گوئی کی ابتدا ہوئی۔ آپ میر تقی میرؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کے معاصر تھے۔ میرؔ اور سوداؔ بھی مرثیہ کہتے تھے مگر زمانہ کے لحاظ سے جیسی ضرورت تھی ان حضرات کی مرثیہ گوئی اسی کے حسب حال تھی۔ فصیحؔ خلیقؔ ضمیرؔ اور دیگران متقدمین سے بہ لحاظ مرثیہ گوئی بہت بہتر تھے۔

اب اُردو ادب منازل ارتقا طے کرکے بہت بلند ہوگیا تھا اس لیے ضرورت تھی کہ ایسے شعرا پیدا ہوں جو وقت اور زمانہ کی ضرورت کو پورا کریں اس لیے حسینی مشن کی تبلیغ کے لیے انیسؔ و دبیرؔ بھیجے گئے۔ جنھوں نے ایک طرف تو اپنا کلام دنیا کے بڑے سے بڑے شعرا کے کلام کے مقابلہ میں پیش کرکے اُردو کو دنیا کی متمدن زبانوں کا ہم پلہ بنا دیا جیسا کہ میر انیسؔ مرحوم فرماتے ہیں ؎

سُبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر   مگر ہم نے پلہ گراں کر دیا

دوسری طرف ہندوستان میں اپنے کلام کے ذریعہ سے حسینی مشن کی ایسی تبلیغ کی کہ ملک کا بچہ بچہ نام حسینؑ سے واقف ہوگیا۔

انیس کے بعد اولادِ انیس میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ انیس کے تین فرزند تھے۔ تینوں مرثیہ گو اور مرثیہ خوان تھے، جس طرح میر انیس کے سب بھائی اور میر خلیق کے بھی سب بھائی مرثیہ گو تھے مگر ان میں ایک سب سے افضل تھا اسی طرح میر انیس کی اولاد میں بھی سب لڑکے مرثیہ گو اور مرثیہ خوان تھے مگر ان میں ایک یعنی میر نفیس مرحوم بہ لحاظ علم و فضل بہ حیثیت شاعر و مرثیہ گو میر انیس کے حقیقی جانشین اور تمام اعزا میں افضل بلکہ اپنے معاصرین میں بھی ارفع و اعلیٰ تھے۔

ولادت اور تعلیم :- آپ کا اسم گرامی سید خورشید علی نفیس تخلص تھا آپ میر انیس مرحوم کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں محلہ گلاب باڑی فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ باپ سے زیادہ دادا میر خلیق مرحوم کو مسرت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم میر خلیق مرحوم اور میر انیس مرحوم نے دی۔ پھر فیض آباد اور لکھنؤ کے مدرسین سے عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی مرثیہ پر میر انیس سے اصلاح لی اور میر انیس ہی سے مرثیہ خوانی بھی سیکھی۔ خوشنویسی کی مشق میر محمد علی مرتعش مرحوم سے کی تھی ایک نسخہ قرآن مجید کا اور چند مرثیے مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے موجود ہیں جس کا تذکرہ جناب عارف و جناب عروج نے اپنے اپنے مراثی میں کیا ہے۔

حلیہ اور وضع | آپ دراز قد تھے، چہرہ بھرا ہوا، گندمی رنگ، ورزشی جسم، آخر عمر تک ورزش کے پابند رہے، گھر میں مگدر کی جوڑی رہتی تھی جو صبح کے اوقات میں ہلاتے تھے۔ آپ کا لباس اُس زمانہ کے شرفا اور ثقات کا تھا۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی جسم میں اونچی چولی کا گوٹ دار انگرکھا جس کے نیچے کرتا یا بنیان نہ ہوتا تھا ہاتھ میں ایک بڑا سفید رومال رہتا تھا پاؤں میں مخملی گھیتلا جوتا۔ گرمی میں چھالٹین کا اور جاڑوں میں مشروع کا پائجامہ پہنتے تھے اور کاندھے پر شالی رومال ڈال لیتے تھے۔ ہاتھ میں چاندی کی شام کی ہرنی اور انگلیوں میں عقیق و فیروزہ کی انگوٹھیاں ٹوپی کسی وقت سر سے جدا نہ ہوتی تھی رات کو سونے میں بھی پہنے رہتے تھے۔ ڈاڑھی باریک خشخشی کترواتے تھے۔

اخلاق و عادات | آپ اخلاق و عادات میں اپنے والد جناب میر انیس اعلی اللہ مقامہ کی شبیہ تھے طبیعت میں استغنا اور قناعت بدرجہ اتم موجود تھی۔ میر نفیس اپنی اولاد کے گزارہ کے لیے کچھ ماہوار رقوم ہر ایک کو عطا فرماتے تھے۔ آپ کچھ بھی جو کچھ باپ سے ملتا تھا اسی میں اپنی اور اپنی اولاد کی پرورش کرتے۔ مزید احتیاج کو باپ سے بیان نہ کرتے بلکہ مخفی طور پر کتابت کی اجرت سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے آپ بہت ہی نیک نفس منکسر المزاج مہذب اور متین تھے

ہر شخص سے بہ محبت پیش آتے اور ہر ایک سے تپاک کر ملتے۔ سلام میں اکثر سبقت کرتے۔ مگر اس کے باوجود آپ کا رعب داب ایسا تھا کہ بڑے بڑے رئیس امیر سرکار اور حضور کہکر خطاب کرتے اور گھر کے بچے اور شاگرد تو بات کرنے کی بھی جرأت نہ کرتے تھے آپ کو عزت نفس کا بڑا خیال تھا دنیا کی ہوا ہوس اور حرص و طمع بالکل نہ تھی محلہ مسکونہ میں چھوٹے چھوٹے چند مکان خرید لیے تھے جن میں سے ایک میں خود قیام پذیر تھے ایک چھوٹا مکان اپنی مردانہ نشست کے لیے علیحدہ کر دیا تھا اور بقیہ مکانات اپنی اولاد پر تقسیم کر کے ہبہ کر دیے تھے جو آج بھی موجود ہیں۔ نشست کے مکان میں کچھ مونڈھے رکھوا دیے تھے جن پر امیر غریب جو لوگ بھی ملاقات کے لیے آتے تھے بٹھایا کرتے تھے اگر کسی نے کہا کہ میر صاحب چند کرسیاں یہاں رکھوا دیجئے تو فرماتے تھے کہ میں فقیر ہوں فقیر کے لیے کچھ شان و شوکت کی ضرورت نہیں جو کوئی آئے گا وہ انھیں مونڈھوں پر بیٹھے گا۔ آپ غربا سے بہ محبت پیش آتے اور ان کی حاجت بر آری کرتے۔ علما کی صحبت کا بہت ذوق تھا۔

نظام اوقات آپ کے روزانہ کے اوقات منضبط تھے اور ہمیشہ ضبط و نظام کے ماتحت کام کرتے تھے روزانہ چند گھنٹے دن میں اور چند گھنٹے رات میں تصنیف مراثی کے لیے معین تھے۔ دن میں چند گھنٹے احباب کی ملاقات اور شاگردوں کی تعلیم وغیرہ کے لیے مقرر تھے۔ اگر کوئی شخص خلاف وقت آتا تو نہ ملتے خواہ کوئی رئیس ہی کیوں نہ ہو شب کو زیادہ تر بیدار رہتے تھے عبادت کا بہت ذوق تھا۔ رات کے اوقات زیادہ تر اوراد و ظائف میں صرف ہوتے۔ نماز ہمیشہ فضیلت کے وقت پر پڑھتے روزہ کبھی قضا نہ ہوتا تھا۔ تصنیف کے وقت تختوں کے چوکے پر نشست ہوتی تھی سامنے کڑوے تیل کا چراغ جلتا تھا دونوں پہلوؤں میں مصطلحات بہار عجم صراح قاموس غیاث اللغات نفس اللغہ مصنفہ میر علی اوسط رشک برہان قاطع فرہنگ انجمن آرائے ناصری وغیرہ کے انبار رہتے تھے جن پر کہنیاں ٹیکے ہوئے لکھا کرتے تھے۔ اس حالت کو ایک رباعی میں جناب عارف مرحوم نے نظم فرمایا ہے

یوں جوہر طبع کب عیاں ہوتا ہے پانی ہر ایک استخواں ہوتا ہے!
راتوں کو گھلاتی ہے مجھے فکر سخن تن شمع صفت صرف زباں ہوتا ہے!

اولاد آپ کے بہت بچے ہوئے مگر سب صغر سنی میں انتقال کر گئے آپ کے بعد صرف جناب سید محمد رشید حسن صاحب عرف دولھا صاحب عروج اور دو لڑکیاں زندہ رہیں دولھا صاحب مرحوم بہنوں سے بہت چھوٹے تھے

بڑی بیٹی کے صاحبزادے جناب میر علی محمد صاحب عارفؔ اور چھوٹی بیٹی کے صاحبزادے جناب سید مہدی حسین صاحب واقفؔ جناب سید علی احمد صاحب آصفؔ اور جناب سید نواب حسین صاحب عاکفؔ تھے۔ دولہا صاحب مرحوم کے فرزند جناب سید محمد حسن صاحب فائزؔ تھے بیٹے اور نواسوں کے تخلص خود ہی تجویز کرکے رکھے تھے اور سب کو اپنی نگرانی میں تعلیم دلوائی تھی جناب عارفؔ مرحوم سب نواسوں سے بڑے سب سے زیادہ قابل ذہین اور فن شعر میں افضل تھے اس لیے وہی آپ کے معتمد علیہ اور محبوب تھے۔ آخر عمر میں اپنے اکثر شاگردوں کو انھیں کے سپرد کر دیا تھا۔ ان شاگردوں کے کلام پر اصلاح اور طرز خوانندگی کی وہی تعلیم دیتے تھے۔

سفر | میر انیسؔ مرحوم نے صرف ایک مرتبہ حیدرآباد کا سفر کیا اور وہاں پہونچ کر تعب سفر سے بخار میں مبتلا ہو گئے تھے واپسی پر دوبارہ آنے سے انکار کیا۔ اہل حیدرآباد اور بانی مجلس نے میر نفیسؔ کے لیے استدعا کی میر انیسؔ نے منظور فرمایا مگر دوسرے سال محرم کے لیے اُن کے منجھلے بھائی میر مہر علی صاحب اُنسؔ نے عرض کیا کہ مجھکو بھجوا دیجیے چنانچہ میر اُنسؔ صاحب جانے لگے پھر چند سال کے بعد میر نفیسؔ مرحوم بھی بلائے گئے اور برابر آخر عمر تک جاتے رہے۔ آپ پٹنہ، جونپور، الہ آباد، فیض آباد، اجودھیا وغیرہ میں مجالس پڑھتے تھے سنہ ۱۲۹۲ ہجری میں جب جناب میر اُنسؔ صاحب کا انتقال ہو گیا تو عالی جناب سر راجہ محمد امیر حسن خان صاحب والی محمود آباد نے آپ کو شب ہائے ماہ رمضان المبارک میں ذاکری کے لیے طلب فرمایا اور اس کے بعد اپنے مراثی و سلام بھی اصلاح کے لیے پیش کیے۔ عالی جناب سر راجہ صاحب بہادر مرحوم آپ کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے جب لکھنؤ میں قیام ہوتا تو آپ سے ملنے کے لیے مکان پر ضرور تشریف لاتے تھے۔ ہر سال گرمی میں جامدانی، ململ اور چھالٹین کے تھان اور جاڑے میں مشروع اور جامہ وار آپ کے لیے بھجواتے تھے۔ مہاراجہ صاحب جنت آرامگاہ کی تقریب ختنہ میں کئی سو بیگہ آراضی بطور معافی نسل در نسل کے لیے عطا فرمائی اور جناب دولھا صاحب مرحوم کے عقد میں ایک رقم خطیر نیوتہ کے طور پر مرحمت کی۔

تصنیف و تالیف | آپ کی تصنیفات کا صحیح اندازہ نہیں لیکن جہاں تک ہمارا خیال ہے آپ کا کل کلام چالیس ہزار ابیات پر مشتمل ہوگا [illegible]

مسدس، حالات، میلاد جناب رسول خدا وغیرہ۔ سلام اور رباعیات بہ کثرت ہیں۔ اکثر سلام سنگلاخ زمینوں میں نظم کئے ہیں دو مناجاتیں نظم کیں جو غالباً طبع ہوگئی ہیں۔ ایک رسالہ اوراد و وظائف میں تحریر فرمایا جس کا نام "ریاض العابدین" ہے اور جو کتب خانہ ریاست محمود آباد میں محفوظ ہے۔

سترہ مرثیوں کی ایک جلد جناب مرحوم کی حیات میں دفتر غم بحر ماتم کے نام سے طبع ہوئی تھی جو اب کمیاب ہے۔ پھر ۱۹۲۵ء میں مطبع اثنا عشری دہلی نے پانچ مرثیوں کی ایک جلد "بزم نفیس" کے نام سے طبع کی۔ یہ بھی اب نہیں ملتی۔ چند سال ہوئے نظامی پریس لکھنؤ نے چھ مرثیوں کی ایک جلد "نظم نفیس" شائع کی ہے۔ بعض کتب فروشوں نے آپ کے مرثیے خود منقولیوں سے لکھوا کر بھی فروخت کئے ہیں۔ زیر نظر جلد میں حتی الامکان ایسے مرثیے جمع کئے گئے ہیں۔ جو غالباً طبع نہیں ہوئے۔

وفات: میر انیس مرحوم نے ۲۹ شوال کو رحلت فرمائی تھی اس تاریخ کی یادگار میں ہر مہینہ کی ۲۹ کو اپنے والد مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لیے ایک مجلس عزا مزار انیس پر منعقد کرتے تھے جس میں سب اعزا اور بعض شاگرد شریک ہوتے تھے۔ اور گھر کے کسی بچے یا کسی شاگرد سے مرثیہ پڑھوا دیتے تھے۔ جب تک زندہ رہے یہ مجلس برابر ہوا کی۔ آخر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ ہجری مطابق ۱۹۰۱ء روز سہ شنبہ چند روز یرقان میں مبتلا رہ کر جادہ پیمائے ملک بقا ہوئے۔ تھوڑی دیر میں شہر بھر میں اطلاع ہوگئی اور ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوگیا۔ دریائے گومتی پر غسل دیا گیا ہولی کا دن تھا جن رستوں سے میت گزری اہل ہنود نے میت کے احترام میں رنگ کھیلنا بند کر دیا۔ جناب سید تقی صاحب مجتہد مرحوم کے امام باڑہ میں جناب مولوی سید مصطفےٰ عرف جناب میر آغا صاحب مجتہد مرحوم نے نماز میت پڑھائی اور وہاں سے تمام اعزا و احباب با چشم گریاں مقبرۂ میر انیس میں میت کو لائے اور سپرد خاک کر دیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

مجلس چہلم میں ان کے صاحبزادے جناب عروج نے نیا مرثیہ پڑھا جس کے چہرے میں اپنے پدر مرحوم کے کچھ حالات بھی نظم کیے ہیں۔ ذاکری سے قبل تاریخیں پڑھی گئیں دو تاریخیں جناب میر افضال حسین ثاقب مرحوم [illegible] صاحب مرحوم کا [illegible] پڑھی گئی تھیں جن کے مصرع حسب ذیل ہیں۔ خیال

اختصار پورے قطعے تحریر نہیں کیے گئے ۔ ع

چھپا آہ خورشید اوج معانی (۱۳۱۸ھ) ہو گیا ملک شاعری تاراج (۱۳۱۸ھ)

۲۵ رجب کو جناب دولھا صاحب عروج نے جو مرثیہ میر نفیس کی مجلس چہلم میں پڑھا تھا اسی کو تمام کرکے پڑھا چونکہ ۱۳ ذیقعدہ کو جناب میر نفیس صاحب مرحوم نے انتقال کیا ان کی اولاد نے ہر ماہ کی ۱۳ کو مقبرۂ انیس میں مجلس منعقد کی جو برابر جناب عارف اور جناب عروج مرحوم کی حیات تک ہوتی رہی۔ دیسی کی مجلس بڑی شان و شوکت سے ۱۳ ذیقعدہ کو ہوتی تھی۔

طرز خواندگی | حالانکہ میر نفیس مرحوم نے اپنے جد مرحوم اور پدر مرحوم سے مرثیہ خوانی سیکھی تھی مگر لوگ بتاتے ہیں کہ آپ کے پڑھنے کا طرز میر انیس سے کسی قدر جدا تھا آپ بڑی قوت اور کس بل سے پڑھتے تھے۔ آواز چوڑی اور بڑی جو بہت دور تک پہونچتی تھی۔ اور پورے مجمع پر چھا جاتی تھی معلوم ہوتا تھا کوئی شیر گونج رہا ہو۔ تمام سامعین ہمہ تن گوش رہتے تھے۔ اور آپ کو تمام اہل مجلس پر قابو حاصل ہوتا تھا جب چاہا رُلا دیا جب چاہا خوش کر دیا رجب کی ۲۵ پچیسویں کو پنڈت دلا رام کشمیری کی بارہ دری میں نیا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ پوری مجلس متوجہ ہے۔ ہزاروں آدمیوں کے مجمع کے باوجود ایک سنّاٹا چھایا ہوا ہے پورے مجمع کا دل و دماغ ذاکر کی آواز پر لگا ہے۔ ایک محویت کا عالم ہے کہ دفعتہً آپ نے یہ مصرع "وہ گرد اُٹھی وہ جگر بند بوتراب آیا" سامنے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے اس طرح ادا کیا کہ پوری مجلس پلٹ کر پشت کی جانب دیکھنے لگی۔ ایک مرتبہ شیخ علی عباس صاحب مرحوم وکیل کے مکان میں مجلس پڑھ رہے ہیں حضرت حُر کے حال کا مرثیہ ہے۔ جیسے ہی یہ مصرع "چہار سمت سے رحمت نے اس کو گھیر لیا" پڑھا موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ آپ نے اہل مجلس سے خواہش کی کہ اگر ابھی آپ لوگ مجھ کو سننا چاہتے ہوں تو یہاں سے ناظم صاحب کے امام باڑے میں چلے چلئے۔ غرض پورا مجمع وہاں منتقل ہو گیا آپ نے وہاں پہونچ کر جس جگہ سے مرثیہ روکا تھا وہیں سے پھر پڑھنا شروع کیا۔ سامعین پر اس انتقال مکانی کا کوئی اثر نہیں ہوا اور سب لوگ اسی طرح [illegible]

ابھی متعدد حضرات موجود ہیں۔

جناب نفیس مرحوم کا رنگ کلام بالکل وہی ہے جو جناب میر انیس مغفور کا تھا بلکہ اگر یوں کہوں کہ جناب میر حسن صاحب مرحوم سے اس وقت تک سب کا رنگ ایک ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ یعنی زبان و محاورات اردو کا لحاظ سب پر مقدم ہو۔ بندش میں صفائی ہو تسلسل میں فرق نہ آنے پائے۔ الفاظ مغلق اور غیر مانوس نہ ہوں۔ تعقید لفظی و معنوی سے کلام محفوظ ہو۔ جس کا کردار جس طرح کا پیش کیا جائے ابتدا سے انتہا تک مساوی ہو۔ تشبیہات و استعارات عام فہم اور شگفتہ ہوں۔ صنائع کا استعمال اس خوبی سے ہو کہ فصاحت میں خلل نہ واقع ہو اور ان سب سے ضروری امر یہ ہے کہ پورے مرثیے یا کسی اور نظم میں کوئی چیز ایسی نہ ہو جو مذاق مرثیت اور مذاق سلیم پر بار ہو جائے۔ ہر موضوع میں اعتدال مدنظر رہے افراط و تفریط نہ ہونے پائے۔ یہ سب چیزیں جناب میر نفیس مرحوم کے کلام میں بدرجۂ کمال موجود ہیں آپ نے اپنے کلام میں صنائع کا بہت استعمال کیا ہے مگر صنائع ایسی بے ساختگی سے صرف ہوئے ہیں کہ کہیں تکلف یا آورد نہیں معلوم ہوتی اکثر مرثیوں میں مردف بند نظم کیے ہیں اور یہ ردیفیں بھی بڑی بڑی ہیں۔ مگر اس کو بھی اس حسن سے ادا کیا ہے کہ سننے والوں کو گراں نہیں گزرتا بلکہ ایک لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ نے بعض ایسے صنائع کا صرف کیا ہے جس کی مثال میر انیس کے کلام میں بھی نہیں ملتی یا اگر ہوگی تو میری نظر سے نہیں گزری ایک مثال ارتقائے تدریجی کی آپ کے ایک مرثیہ سے پیش کی جاتی ہے۔ میر نفیس مرحوم مجاہد راہ خدا کے رجز کے موقع پر فرماتے ہیں ؎

ہراس کچھ نہیں پیدل بڑھیں سوار بڑھیں　　رسالہ دار بڑھیں آزمودہ کار بڑھیں
پچاس صف سے بڑھیں سو بڑھیں ہزار بڑھیں　　جو کچھ ہو خوف تو سب مل کے ایک بار بڑھیں
بہت ہوں صید تو دل اور شیر ہوتا ہے
شکار سے کہیں صیاد سیر ہوتا ہے



عالیجناب میر خورشید علی صاحب مرحوم
نفیس - لکھنوی

۶۸۶

پہلا مرثیہ

در حالاتِ حضرت عون و محمد علیہما السلام

(بند ۱۲۸)

بیاضِ صبح کا جب چرخ پر ظہور ہوا   جو دورِ تیرگیٔ شب کا تھا وہ دُور ہوا
رُخِ سحر سے خجل حُسنِ رُوئے حور ہوا   محیطِ کون و مکاں آسماں کا نور ہوا
مطیعِ خالقِ لیل و نہار اُٹھنے لگے
پئے نماز عبادت گزار اُٹھنے لگے

مصلّیوں کے مصلّے بچھے برائے نماز   فلک کے اوج پہ جانے لگی صدائے نماز
نمازیوں کا وہ نور اور وہ حُسن جائے نماز   ملک بھی وجد میں تھے دیکھ کر ادائے نماز
وہ کون سی تھی جماعت جو سرفراز نہ تھی
نمازیوں کی وہ معراج تھی کہ نماز نہ تھی

مہک رہے تھے گُلِ باغِ بندگیٔ خدا   چمن قنوت کا وکھلا رہا تھا اپنی فضا
کھلا تھا گلشنِ سُبحانَ ربّیَ الاعلیٰ   فدا ریاضِ تشہّد پہ تھا بہشت عُلا
یہ ذکر عارضِ ایماں کا غازہ ہوتا تھا
سلام سے گُلِ اسلام تازہ ہوتا تھا

دکھا رہی تھی اُدھر خوبیاں سحر کی ضیا　　کہ جس کی ضو سے گھٹی جاتی تھی قمر کی ضیا
وہ آب بحر کی ضو اور وہ دشت و در کی ضیا　　ہر اک چمن کا وہ جلوہ وہ ہر شجر کی ضیا
گلوں سے مل کے جو باہر نسیم آتی تھی
مشام جاں کو لبھانے شمیم آتی تھی

سپیدۂ سحری چرخ کا عمود بنا　　زمیں کا حسن بڑھا جب فلک سے نور چھنا
فضا دکھاتا تھا اپنی ہر ایک باغ گھنا　　طیور کر رہے تھے اپنے رب کی حمد و ثنا
رجوع محمدت رازق العباد میں تھے
جو ذی حیات تھے وہ سب خدا کی یاد میں تھے

حمام و کبک و پرستوک و ہُدہُد و تیہو　　پکارتے تھے کہ ہے لائقِ پرستش تو
نوا وہ مرغِ سحر کی دمِ سحر ہر سو　　کہیں تھا غلغل حق حق کسی طرف کو کو
عیاں درود کی آواز تھی لب جو سے
شجر بھی جھوم رہے تھے صدائے یاہو سے

صدائے بلبل رنگیں ادا کی یہ ہر بار　　ریاض مرتضوی پر ہزار جاں سے نثار
یہ کہہ رہی ہے ہر اک فاختہ پکار پکار　　فدائے سرو گلستان احمد مختار
وہ خوار ہے جسے ان کی ولا حصول نہیں
بغیر حب علیؑ بندگی قبول نہیں

سبب سے جن کے عبادت خدا کی ہے مقبول　　انھیں کے دشمن جاں ہو گئے ظلوم و جہول
سنان و خنجر و شمشیر اور آل رسولؐ　　کیا کریم کو ناراض مصطفےٰؐ کو ملول
گلوئے خشک شہنشاہ بحر و بر کاٹا
امام پاک کا سجدے میں حق کے سر کاٹا

فریضۂ سحری میں ادھر تھے محو حسینؑ　حضور قلب تھا بہر ادائے فرض العین
سبھوں کے آگے رسول خداؐ کا نور العین　پس امام غلامان شاہ بدر و حنین
ادھر سے صوت حسن جب فلک پہ جاتی تھی
صدائے مدح و ثنا آسماں سے آتی تھی

علیؑ کا چاند تھا اک اور بہتر اختر تھے　خدا شناس تھے سب عارف پیمبرؐ تھے
حبیب سبط نبیؐ عاشقان حیدرؑ تھے　اطاعت اور عبادت میں خم کیے سر تھے
رُخ ان کے صورتِ خورشید کیوں نہ پُرضو ہوں
امام ایسا ہو آگے تو ایسے پیرو ہوں

وحید عصر تھا ایک ایک عابد خوش خو　وہ جانتے تھے عبادت اطاعت شہ کو
قیام میں تھے کہ قائم خدا کی یاد میں ہو　بلند کرتے تھے تکبیر میں جو دست نکو
اشارہ تھا کہ ولا حق کے ساتھ رکھتے ہیں
ولائے غیر سے کانوں پہ ہاتھ رکھتے ہیں

وہ نور عارض و پیشانی امام انام　نشان سجدہ ہے یا نجم ثاقب اسلام
بصد خضوع جو پھیرا امام دیں نے سلام　دعا کو ہاتھ اُٹھے اور ہوئی نماز تمام
ادا رضائے الٰہی کے فرض کرنے لگے
دلوں کے راز نہاں حق سے عرض کرنے لگے

پس از درود و ثنائے رسول حیّ و قدیر　یہ تھا لبوں پہ کہ اے قادر و علیم و خبیر
غلام ہم ہیں علیؑ کے تو خادم شبیرؑ　مسافرت میں ہیں غمخوار سرور دلگیر
لہو میں آج بھریں سر سے تا قدم یا رب
ہمارے نام شہیدوں میں ہوں رقم یا رب

دم وغا مددِ شاہ نامدار کریں — نبیؐ کے لال پہ جانوں کو ہم نثار کریں
ستمگروں کو تہ تیغ آبدار کریں — جہاں میں نام ہو وہ آج کارزار کریں
ڈگیں نہ پاؤں نہ لاکھوں سے کم رہیں مالک
کٹیں جو سر بھی تو ثابت قدم رہیں مالک

مسافروں کی ہے دشمن سپاہ خانہ خراب — جگر ہمارے ہیں سوزِ غم و الم سے کباب
رسولؐ کا ہے پسر ساتویں سے بےخور و خواب — ترے حبیب کے پیارے پہ کب سے بند ہے آب
وہ دُکھ میں ہے کہ محمدؐ کا جو نواسا ہے
قلق یہ ہے کہ ہمارا امام پیاسا ہے

چہار سمت سے راہیں رُکی ہیں مقتل میں — گھرا ہے مالکِ باغِ بہشت جنگل میں
قمر ہے فاطمہؑ کا شامیوں کے بادل میں — لہو بہاؤ یہ ہے شور فوج کے دَل میں
کوئی نہ غم ہو شہِ مشرقین کو یارب
شہید ہم ہوں بچالے حسینؑ کو یارب

یہ کہہ کے شکر کے سجدے نمازیوں نے کیے — رُخ اپنے اُن کی طرف سرفرازیوں نے کیے
مصافحے بخوشی اُٹھ کے غازیوں نے کیے — سلام کعبۂ دیں کو حجازیوں نے کیے
سپاہ کیں میں اُدھر طبلِ جنگ بجنے لگے
حسینؑ گھر میں گئے، یہ سلاح سجنے لگے

درست تن پہ کیے سب جہاد کے ہتھیار — شگفتہ ہو گئے رُخ صورتِ گلِ گلزار
دکھائی باغِ شجاعت نے صاف اپنی بہار — بڑھے سوئے درِ دولت ادب سے گلعذار
عروسِ مرگ کے خواہاں تنے ہوئے نکلے
سب اپنے خیموں سے دولہا بنے ہوئے نکلے

وفائے ابن مظاہر ہر اک پہ ہے ظاہر مثال آئینہ سینہ تھا روشن و طاہر
حسنؑ کے عاشق و شیدا حسینؑ کے ناصر ہوئے حضور میں سب گھر کو چھوڑ کر حاضر
سپید رو ہوئے وہ رنگ ساتھ لائے تھے
خضاب پھینک کے کونے سے مرنے آئے تھے

اگرچہ شیب سے قامت میں تھی کجی لاریب خمیدہ ہونے کا لیکن نہیں ہلال میں عیب
بھرے تھے نقد ولائے علیؑ سے دامن و جیب بڑھا ہوا تھا کہیں زور میں شباب سے شیب
رُکے نہ جنگ میں تیغوں سے نے سنانوں سے
کہیں نہ کم رہے پیری میں نوجوانوں سے

لڑے تو کانپتے ہاتھوں کا زور سب پہ کھلا صفیں سپاہ کی توڑیں پرے کئے پسپا
جھکا تھا جسم مگر جوہروں میں فرق نہ تھا جو تیغ ہوتی ہے خمدار کاٹتی ہے سوا
وہی تھا دست مبارک میں کس وہی دم تھا
جھکے تھے شہ کی مدد پر قد اس لیے خم تھا

رہے جو سبط پیمبر پہ زندگی میں فدا شہید ہو کے حیات ابد ملی بخدا
بڑھا بڑھاپے میں رعشہ مگر نہ زور گھٹا وہ صدر پاک تھا یا آفتاب مہر و وفا
وہ دونوں ہاتھ تھے یا قوتوں کی نہریں تھیں
وہ جھریاں تھیں کہ بحر وفا کی لہریں تھیں

ادھر کھلا ہوا تھا باغ اقربائے حسینؑ نبیؐ و حیدرؑ و خیر النساؑ کے نور العین
اگرچہ تین شب و روز سے تھے سب بیچین مگر رخوں سے عیاں رعب شاہ بدر و حنین
مثال سرور مرداں وغا کا دھیان وہی
وہی تھا زور وہی شان آن بان وہی

ہر ایک یوسفِ مصرِ جمال و حُسن و ادب بلند مرتبہ عالی حسب جلیل نسب!
نگاہ و چشم میں عینِ علیؑ کا خشم و غضب نہنگِ بحرِ وغا افضلِ شجاعِ عرب
دعا کہ تاجِ شفاعت کا بید رنگ ملے
یہ آرزو کہ ہمیں پہلے اذنِ جنگ ملے

دہائے شیرِ الٰہی کا رنگ ڈھنگ دکھائیں سبھوں کو اپنے گھرانے کا طرزِ جنگ دکھائیں
سوار گھوڑوں پہ جو رنگ ہوں وہ رنگ دکھائیں جہاد کی جو دلوں میں ہے وہ اُمنگ دکھائیں
علیؑ کی شان سے لاکھوں پہ فتح پا کے پھریں
سپاہِ شام کو کوفے تلک بھگا کے پھریں

جو کم تھے عمر میں اُن کو سوا تھا جوشِ وغا رکھے تھے تیغ کاندھوں پہ مثلِ شیرِ خدا
خصوص بنتِ امیرِ عرب کے ماہ لقا ولیِ حق کے نواسے حسینؑ کے شیدا
اُدھر عقاشہ کا برادر نشان کھولے ہوئے
کھڑے تھے یہ درِ دولت پہ تیغیں تولے ہوئے

نگاہ سے تھا عیاں جعفرؑ و علیؑ کا جلال ملے تھے اُن کو شجاعت کے بچپنے میں کمال
علم نہ ملنے کا چھوٹے سے دل میں تھا جو خیال تو اُن سے کہتے تھے سمجھا کے عونِ خوش اقبال
فدا ہوں شاہ پہ طالب یہی خدا سے ہیں
علیؑ کے بیٹے ہیں عباسؑ، ہم فدا سے ہیں

ہمیں خوشی ہے بزرگوں کی کام ہیں بھائی ابھی ہیں عزت و توقیر و نام ہے بھائی
نہ جائے شکوہ نہ جائے کلام ہے بھائی جو حکمِ رب ہے وہ حکمِ امام ہے بھائی
یہی علیؑ کی یہی تھی شہِ اُمم کی خوشی
یہی تھی والدہ آسمان حشم کی خوشی

بہت بجا ہے یہ عہدہ اُنھیں جو شہ نے دیا — امورِ قبلۂ عالم میں ہم کو دخل ہے کیا
بس اب ہے رنج مناسب نہ والدہ سے گلہ — سبب علم کے نہ ملنے کا ہم کو بعد کھُلا
حضور مالک و مختار تھے جسے دیتے
علم تو ایک تھا ہم دو تھے پھر کسے دیتے

جو تم کو ہوتا عنایت تو ہم کو غم ہوتا — جو ہم کو دیتے نشاں تو تمھیں الم ہوتا
اگر سپرد نہ عباسؑ کے علم ہوتا — خلافِ حکمِ یداللہ ذی حشم ہوتا
یہ امر آج کی خاطر جہاں میں رہ گئے تھے
انھیں کے دینے کو خود نانا جان کہہ گئے تھے

ابھی ہیں خیمۂ اقدس میں جلوہ گر حضرت — جنابِ والدہ سے کہہ کے لے رکھیں رخصت
وہ اس میں سعی کریں گی ضرور از رہِ منّت — رضا ملے تو بنیں کام سب بڑھے جرأت
لڑیں یزیدِ لعیں کی سپاہ سے پہلے
جناں میں جائیں علمدارِ شاہ سے پہلے

دکھائیں فوج کو ہاتھوں کی جد کے تیاری — سپاہِ شام کے چھینیں علم جو ہیں بھاری
نشاں ہاتھوں میں زخموں کے آج ہوں کاری — ہمارا اب ہے یہ عہدہ یہی علمداری
جہاں میں ذکرِ وغا صبح و شام رہ جائے
لڑو اب ایسے کہ تا حشر نام رہ جائے

کہا یہ چھوٹے نے ہاں سچ ہے آپ کا ارشاد — ہمارے مالک و آقا ہیں شاہِ نیک نہاد
کہا تھا شب کو جو اماں نے ہے وہ سب ہمیں یاد — عوض علم کے شہِ دیں سے لیں صلائے جہاد
جناب والدہ راضی رہیں یہ مطلب ہے
امام دیں کی غلامی ہمارا منصب ہے

گئے حرم میں جگر بند بادشاہِ عرب کھڑے ہوئے عقبِ قبلۂ اُمم بہ ادب
یہ دیکھا حال کہ با صد ملال و رنج و تعب گلے سے لپٹی ہوئی شہ کے روتی ہیں زینب
حرم ہیں گرد سکینہ کھڑی بلکتی ہے
کھلے ہیں بال ردا خاک پر لٹکتی ہے

زباں پہ ہے کہ نثار آپ کے یہ ماں جائی بہن سے آج جدا ہوگے ہائے اے بھائی
گزر کے رات یہ کس طرح کی سحر آئی ہوئی نہ صلح نہ اس فوج سے اماں پائی
اُٹھے گا خلق کا سرتاج اور میں دیکھوں گی
لٹے گا باغِ نبیؐ آج اور میں دیکھوں گی

لڑائی ٹھن گئی آخر جفا شعاروں سے لڑیں گے تشنہ دہن کس طرح ہزاروں سے
بھرا ہے دشت پیادوں سے اور سواروں سے خدا بچائے گلوں کو ستم کے خاروں سے
مسافرت میں یہ کیسی مُصیبت آئی ہے
مرے حسینؑ پہ دو لاکھ کی چڑھائی ہے

چھپے گا آنکھوں سے یہ روئے پاک ہائے غضب سکینہ اور یہ غم دردناک ہائے غضب
رسولؐ ہوں گے گریباں چاک ہائے غضب اُڑے گی آج مدینے میں خاک ہائے غضب
بکائے فاتحِ بدر و حنین سُنتی ہوں
میں پچھلی رات سے اماں کے بَین سُنتی ہوں

حسینؑ کہتے ہیں زینب ابھی بُکا نہ کرو بلند شیون و فریاد کی صدا نہ کرو
تڑپ تڑپ کے بہن ٹکڑے دل مرا نہ کرو رضائے صبر کا تم قطع سلسلہ نہ کرو
حرم کی ناؤ تباہی میں آج آئے گی
ہوا نہ قتل تو اُمت نہ بخشی جائے گی

یہ کہہ کے اشک کیے خود بہن کے چہرے سے پاک　اڑھائی سر پہ ردا پھر بہ دیدۂ غمناک
چلے جو آپ جگر بی بیوں کے ہو گئے چاک　کہا بہن نے کہ اے سبط سیّد لولاک
وہ آج گزرے گی زینب پہ جو گزرنی ہے
مجھے حضور سے اک بات عرض کرنی ہے

یہ نور عین مرے، قبلۂ اُمم کے غلام　کہ جن پہ آپ کے لطف و کرم رہے ہیں مدام
اگرچہ کم ہیں سن و سال میں یہ گل اندام　مگر ہے ان کو طلبگاریِ بلندیِ نام
یہ آرزو ہے کہ جنگ و جدل کریں اس طرح
جناب جعفرؑ و شیر خدا لڑے جس طرح

ادب سے آپ کے ان کو نہیں مجال بیاں　مگر دلوں میں جو ان کے ہے مجھ پہ ہے وہ عیاں
یہ گھر میں اس لیے آئے ہیں یا امام زماں　کہ سب سے پہلے ملے ہم کو رخصتِ میداں
جناب اکبرؑ و عباسؑ بھی وغا دیکھیں
ہماری جنگ کا حضرت بھی کچھ مزا دیکھیں

سُنی ہے کل سے اُنھوں نے جدال کی جو خبر　غضب کا دونوں کو طاری ہے غیظ یا سرور
وغا کے جوش ہیں لیٹے تلک نہیں دم بھر　تمام رات نہ کھولے ہیں پیچ نہ کمر
لو لگائیں فوج کو یا فتح کی خبر آئے
یہی دعا تھی کہ جلدی کہیں سحر آئے

مجھے یقیں ہے یہ گھوڑوں کو جب اٹھائیں گے　فنون جنگ جو سیکھے ہیں سب دکھائیں گے
سناں و تیغ کے سینوں پہ زخم کھائیں گے　یہ مر کے آئیں گے جیتے نہ پھر کے آئیں گے
صفوں کو اُلٹیں گے برہم اگر مزاج ہوئے
کریں گے نام، علمدار گو نہ آج ہوئے

ہوس تو ان کو بہت تھی علم اُٹھانے کی / نشاں لیے ہوئے فوج ستم پہ جانے کی
نئی یہ بات نہیں ان کے کچھ گھرانے کی / پر اب ہے ان کو خوشی اذن جنگ پانے کی
قدوں میں کم تھے موافق یہ اس حشم کے نہ تھے
حضور کیا کریں، قابل ابھی علم کے نہ تھے

کہا حسینؑ نے جرأت کا ان کی کیا مذکور / شجاع، صاحب ہمت، جری، دلیر، غیور
رُخوں سے حیدرؑ صفدر کی شان کا ہے ظہور / یہ میرے قوت دل ہیں، یہ میری آنکھوں کا نور
شکوہ ان سے عیاں جعفر جلیل کی ہے
انھیں سے زیب مرے لشکر قلیل کی ہے

علم نہ ملنے کا ان کو ہوا تو ہوگا خیال / کہا بہن نے کہ اتنی نہیں ہے ان کی مجال
میں جانتی ہوں کہ ایسے نہیں یہ نیک خصال / علم تو بھائی کو دیں آپ ور انھیں ہو ملال
مطیع حکم امام اُمم ہیں دونوں
یہ بھانجے نہیں شہ کے غلام ہیں دونوں

بہا کے آنکھوں سے آنسو امام دیں نے کہا / ہزار حیف کہ یہ آج ہم سے ہوں گے جدا
دل و جگر ہیں مرے، یہ تمھارے ماہ لقا / تب ان کو قاسمؑ و اکبرؑ سے جانتا ہوں سوا
فراق دونوں کا کیونکر سہوں گا میں زینب؟
ہوئے یہ قتل تو جیتا رہوں گا میں زینب؟

بہت مُصر ہوئی بنت علیؑ تو شہ نے کہا / سمجھوں سے آپ کے تو ممکن نہیں ہے اذن وغا
خوشی تمھاری اور ان کی یہ ہے تو عذر ہے کیا / جب ان کے جانے کا وقت آئے گا تو دوں گا رضا
تم ان کو گھر میں، تو باہر ہم ان کو روئیں گے
ہمارے آگے یہ بچے شہید ہوئیں گے

اشارہ بیٹوں سے ماں نے کیا کہ سامنے آؤ   قدم پہ شاہ کے آنکھیں ملو سروں کو جھکاؤ
بس اب حضور کے ہمراہ دشتِ جنگ میں جاؤ   علیؑ کے بیٹوں سے پہلے تمھیں لہو میں نہاؤ
ہوا سرور، شگفتہ گُلِ مراد ہوئے
یہ ماں نثار کہو اب تو شاد شاد ہوئے

جُھکے سلام کو بنتِ علیؑ کے راحتِ جاں   کہا کہ بس یہی حسرت تھی اور یہی ارماں
گلے سے اُن کو لگا کر چلے امامِ زماں   بپا ہوا حرمِ شہ میں شورِ آہ و فغاں
تڑپ کے تا بہ درِ بارگہہ گئیں زینب
کلیجہ تھام کے ہاتھوں سے رہ گئیں زینب

سوار ہو کے دو عالم کا بادشاہ چلا   ستارے ساتھ چلے فاطمہؑ کا ماہ چلا
علیؑ کے جاہ و حشم سے نہ دیں پناہ چلا   کس اوج سے علمِ لشکر الٰہ چلا
ضیائے رخوں کی سوئے غرب و شرق جانے لگی
زمینِ بار یہ ضو عرش کی دکھانے لگی

قلیل فوج کا وہ حُسن و شوکت و اجلال   رئیس جس کا علیؑ و بتولؑ پاک کا لال
وہ نور چاند سے چہروں کا اور وہ حُسن و جمال   وہ ضو علم کی علمدار شاہ کا وہ جلال
شکست کے ہوں نہ کفار کیوں شکنجے میں
یہ وہ علم ہے کہ نصرت ہے جس کے پنجے میں

رقم یہ کرتے ہیں اب ناقلانِ قصۂ غم   ہوئے جو وارد جنگاہ قبلۂ عالم
اُدھر سے آئی سپاہِ گرانِ ظلم و ستم   بڑھے اِدھر سے دلیرانِ فوجِ شاہِ اُمم
لہو سے جائے وغا سُرخ رنگ ہونے لگی
شجاع جا پڑے لشکر پہ جنگ ہونے لگی

خوشی نبیؐ ہوئے غازی، وہ کام کرکے مرے — ادا حقوقِ امامِ انام کر کے مرے
الٹ پلٹ سپہِ روم و شام کرکے مرے — بلند نام ہوئے سب وہ نام کرکے مرے
ہوئے شہید سرِ مشرقین سے پہلے
گئے بہشتِ بریں میں حسینؑ سے پہلے

ہوئے جہاد میں پوتے عقیل کے جو قتیل — لپٹ کے لاشوں سے روئے بہت امامِ جلیل
اٹھا جو غل کہ لٹا دشتِ کیں میں باغِ عقیل — تڑپ گئے حرمِ وارثِ جنابِ خلیل
کسی کے دل کو نہ اس رنج و غم میں کل آئی
کلیجہ تھام کے ہاتھوں سے ماں نکل آئی

کہا یہ عونؑ و محمدؑ نے شاہ سے بڑھ کر — کہ اب غلام ہیں طالبِ رضا کے یا سرور
بہا کے اشک یہ بولا علیؑ کا نورِ نظر — نہ جانے دوں تو ہوں آزردہ خواہرِ مضطر
بچائیں موت سے کیونکر کہ یہ نہ غم دیکھیں
ہزار حیف بہن روئے تم کو ہم دیکھیں

دعائیں دے کے بجا لا کے شاہ دیں کو سلام — گئے حرم میں بہ تعجیل دونوں گل اندام
کھڑی تھیں صحن میں بیتاب خواہرِ ناکام — رخوں سے ان کے خوشی دیکھ کر کیا یہ کلام
کمر میں پیچے مثلِ علیؑ لگائے ہو
امامِ دیں سے رضا لے کے شاید آئے ہو

ادب سے دونوں دلبروں نے کی یہ عرض کہ ہاں — پکاری ماں کہ مبارک ہو رخصتِ میداں
جھکے سلام کو مادر کے جب وہ راحتِ جاں — رہا نہ ضبط ہوئے اشک چشمِ تر سے رواں
وفورِ انس و محبت سے گرد پھرنے لگیں
گلے سے جھک کے لگایا انھیں تو گرنے لگیں

چلے وہ گھر سے تو چلائی ماں خدا حافظ مرے جگر مرے آرام جاں خدا حافظ
غلام سرورِ تشنہ دہاں خدا حافظ مسافرانِ ریاضِ جناں خدا حافظ
ہجومِ غم سے نہیں دل پہ اختیار مجھے
دکھاتے جاؤ یہ شکلیں پھر ایک بار مجھے

حرم سرا سے جو باہر وہ آفتاب آئے زمیں کو چاند لگے آسماں جناب آئے
پری کی شان سے اسپانِ خوش رکاب آئے قریبِ لختِ دلِ مالکِ الرقاب آئے
گلے لگا کے صغیروں کو شہ نے پیار کیا
اٹھا کے گود میں عباسؑ نے سوار کیا

فرس اڑائے جو مانندِ جعفرِ طیار چمک کے رخش بڑھے شکلِ اخترِ سیار
پکارے سب کہ زہے شانِ اکبِ رہوار یہ شہسوار ہیں دلدل سوار کے دلدار
جلال و رعب اسد اللہ کا دکھاتے ہیں
پئے جہاد نواسے علیؑ کے جاتے ہیں

وہ اس نمود سے دشتِ قتال میں آئے کہ شیر صید پہ جیسے جلال میں آئے
ہجومِ فوج کب ان کے خیال میں آئے دغا کی فکر میں شوقِ جدال میں آئے
قریب بڑھ کے وہ یوں شیر دل گئے دونوں
سپاہِ کیں سے فرس جا کے مل گئے دونوں

سمندِ فوج کے بھڑ کے سوار پیچھے ہٹے جو سب کے آگے تھے وہ ہزار پیچھے ہٹے
پیادگانِ صفِ نابکار پیچھے ہٹے بڑھا یہ خوف کہ بے اختیار پیچھے ہٹے
پروں پہ لشکرِ بیم و خطر جو آ کے گرا
یہ اس پہ جا کے گرا اور وہ اس پہ جا کے گرا

رجز ادا کیا اس دبدبے سے قبل مصاف — کہ جس کے جملہ معنا ہیں مثالِ آئینہ صاف
نہ جس میں عیب ریب اور نہ شک نہ ظن نہ خلاف — بھرے ہوئے شرفِ دودمانِ عبدِ مناف
شجاعتوں کے بیاں، ذکر تیغ رانوں کے
بالاختصار قصص ہاشمی جوانوں کے

خصوص منقبتِ جعفرؑ و علیؑ ولی — زباں پہ تھا کہ مناقب ہیں اپنے سب پہ جلی
وہ جد ہمارے ہیں لاکھوں پہ جنکی تیغ چلی — نواسے ان کے ہیں جن کا ہے اسمِ پاک علیؑ
جو اہلِ دیں ہیں وہ عالی جناب کہتے ہیں
یہ نُہ فلک بھی ہمیں آفتاب کہتے ہیں

امینِ سرِّ الٰہی، معینِ ختمِ رسل — شجاع وہ کہ ہے غزووں کا جنکے دہر میں غل
شگفتہ گلشنِ عترت نہیب و داد کا گُل — کہ جس نے کفر کے جلتے چراغ کر دیے گُل
دمِ جدال عرب کے دلیر بڑھ نہ سکے
وہ گاڑے دیں کے جھنڈے کہ پھر اکھڑ نہ سکے

نشاں ہیں چار علمدار ذی جلال کے ہم — اک اُن میں حمزہؑ والا تبار و جاہ و حشم
اور اک ہمارے ہیں دادا کہ فخرِ روم و عجم — اور اک علیؑ ولی نانا جان، شاہِ اُمم
گواہ جن کے مراتب پہ کوہ و ہامون ہیں
اور آج چوتھے علمدار چھوٹے ماموں ہیں

رجز یہ حسنؑ کے صغیروں کا ڈھنگ تھے فصحا — یہ شور تھا کہ بلاغت کا ان کی ذکر ہی کیا
ورق ہیں مصحفِ ناطق کے، نورِ ربِّ عُلا — ہر اک کمال کا ہے ان پہ خاتمہ بخدا
نظیر ان سے مقابل نہیں زمانے کے
جو ان کے طفل برابر ہیں اس گھرانے کے

پکارا شمر کہ ہاں افسرانِ فوج بڑھیں　　　علم کیے ہوئے تیغیں جوانِ فوج بڑھیں!
دُہل پہ چوب لگے اب نشانِ فوج بڑھیں　　　کھڑے ہوئے ہیں کدھر پہلوانِ فوج بڑھیں
پَروں سے جنگ کو ناوک نگن نکلنے لگیں
کمانیں زہ ہوں صفیروں پہ تیر چلنے لگیں

خدنگ آتے ہی دونوں نے کیں علم تیغیں　　　چمک میں تیغ دو پیکر سے تھیں نہ کم تیغیں
جدال پر تھیں جھکی، اس لیے تھیں خم تیغیں　　　در آئے فوج میں غازی چلیں بہم تیغیں!
علیؑ کی طرح دکھانے لگے تو اں دونوں
پئے وغا جو بڑھے ہو گئے جواں دونوں

بڑے دلیر جو تھے اُن پہ وار چلنے لگے　　　لہو کے پہلے نکلنے سے دم نکلنے لگے
کنائی کاٹ کے صف سے شریر ٹلنے لگے　　　فرس گری ہوئی لاشوں کے سر کچلنے لگے
ہر اک شقی کو تہ تیغ بے مثال کیا
جو پہلی صف تھی اُسے پہلے پائمال کیا

لہو سے ہو گیا نشاں تمام صفحۂ خاک　　　مثالِ حرفِ غلط کٹ گئی صفِ سفاک
جو فن جنگ میں استاد تھے ہوئے وہ ہلاک　　　ورق کی طرح سے اجزائے جسم کر دیے چاک
نہ حاشیے کا نہ پھر متن کا حساب رہا
درست فصل رہی پھر نہ کوئی باب رہا

جوانِ فوج تھے بچوں کی جنگ سے حیراں　　　تمام بھر دیا لاشوں سے قتل کا میداں
کٹے جو سر تو ہوئی فوج بے سر و ساماں　　　نہ بیرقوں کا پتہ ہے نہ رایتوں کا نشاں
ہٹی تھی فوج تو سب کے حواس کھو گئے تھے
علم جو رہتے تھے آگے وہ پیچھے ہو گئے تھے

اٹھا کے چھوٹی سی تیغیں جری جدھر آئے — تنوں سے ہاتھ اُڑے سر زمین پر آئے
مثال فاتح خیبر جو صف میں در آئے — کھُلے ہوئے درِ فتح و ظفر نظر آئے
نظیر رکھتے نہ تھے رعب و داب میں دونوں
وحید و فرد تھے قوت کے باب میں دونوں

قریب والوں کے سر گردنوں سے دُور کئے — شکست دے کے بدن نیمچوں سے چُور کئے
سپاہ کفر کے یوں پست مکر و زور کئے — بڑھے نہ پاؤں نہ اونچے سرِ غرور کئے
بڑھا بھی کوئی تو ثابت ذرا قدم نہ رہا
پڑا طمانچۂ دستِ اجل کہ دم نہ رہا

وہ نیم رُخ تھے جو تیر افگنی میں تھے مشاق — وغا میں طاق جو تھے ان کی طاقتیں ہوئیں طاق
جو نیزہ باز تھے بڑھنا انھیں تھا غول سے شاق — جو تیغ زن تھے ہوا ان کی جان و تن میں فراق
پکارتی تھی ظفر اپنا حال دیکھ لیا
تبارِ ہاشمیوں کا جلال دیکھ لیا

بڑے نے غزوۂ خندق کا رنگ دکھلایا — علیؑ کی جنگ کا چھوٹے نے ڈھنگ دکھلایا
جلال و غیظ و غضب بے درنگ دکھلایا — لہو سے لال بیابانِ جنگ دکھلایا
قدم بڑھا نہ ادھر ایک لڑنے والے کا
زمیں تھی سُرخ کہ پھولا تھا کھیت لالے کا

اجل نے آکے خزاں کون سی بہار نہ کی — کسی نے ڈر کے علم تیغ آبدار نہ کی
نظر کسی نے ادھر بہرِ کارزار نہ کی — وغا میں ایک نے دونوں سے آنکھ چار نہ کی
سپر کی اوٹ میں چہرے چھپائے پھرتے تھے
وہ عینِ جنگ میں آنکھیں چُرائے پھرتے تھے

نگاہ تند سے دیکھا جب وہ مر کے گرا — یہ زخم کھا کے گرا خاک پر وہ ڈر کے گرا
کٹا کے ہاتھ لعیں جب قریں پدر کے گرا — زمیں گرم پہ وہ سرد آہ بھر کے گرا
بنی تھی خوف سے جانوں پہ بد یقینوں کی
نظر سے گر گئیں سب جرأتیں لعینوں کی

بڑھا کسی کا جو بھالا تو بھال کٹ کے گری — کلائی صورت شاخ نہال کٹ کے گری
حسام بھی دم جنگ و جدال کٹ کے گری — مثال کاغذ بوسیدہ ڈھال کٹ کے گری
لعیں کی روح پہ کس طرح سے نہ کرب رہے
رہی نہ جان نہ آلات حرب و ضرب رہے

وہ تیغیں برق سی اور ہاتھ کی وہ چالاکی — سپاہ شام کی مٹی ہوئی تھی سفا کی
لڑائی بھولے ہوئے، سہو محو بیبا کی — لہو میں لوٹتے تھے خاک پر تن خاکی
شقی جو تھے تو یہ صورت خرابیوں کی ہوئی
یہ شور تھا کہ ظفر بو ترابیوں کی ہوئی

وہ نیمچے تھے کہ تھے قہر خالق عالم — نہ جن کے سامنے بھالوں میں کچھ نہ تیغوں میں دم
حدید موم سے بکتر حریر نرم سے کم — خدنگ تنکوں سے کم، چوب نیزہ خام قلم
چہار آئینہ کتنے میں اب مردہ ہے
رہی زرہ سو وہ قرطاس کرم خوردہ ہے

تباہ فوج ہوئی ابتری ادھ صف بہ ہوئی — ہر اک شریر کی جاں معرض تلف میں ہوئی
وغا جو اُن میں اور ابن شہ نجف میں ہوئی — جدال و جنگ نہ ایسی کبھی سلف میں ہوئی
فلک ہراس سے کانپا زمین تنگ ہوئی
جہاد بھر ہوا ایسا نہ ایسی جنگ ہوئی

دغا میں دو سے نہ سر پر کئی ہزار ہوئے
دو چار ان سے نہ چار آزمودہ کار ہوئے
بڑھا جو کوئی تو بہ ہم یہ شہسوار ہوئے
وہ چوٹیں ماریں کہ بس ایک منھ کے چار ہوئے
لہو بھی چہرۂ دشمن کا بہ گیا آخر
شریر اپنا سا منھ لے کے رہ گیا آخر

وہ بیچے تھے جو خونریز ساری فوج تھی دنگ
پلنگ دشت میں، دریا میں کانپتے تھے نہنگ
غبار اُٹھتا تھا گلرنگ خاک سے دم جنگ
بدل گیا تھا زمیں آسماں کا خوف سے رنگ
یہ غل تھا دھوپ کی زردی کو کیا ہوا دیکھو
زوال مہر یہ بھی آ گیا ذرا دیکھو

لہو میں جسم بھی ڈوبے ہیں خاک میداں بھی
سحاب قہر بھی ہے، برق کا ہے ساماں بھی
تضاد جمع ہیں، مضطر ہے روح بھی جاں بھی
خزاں کی فصل بھی ہے اور بہار باراں بھی
زمیں پہ ہاتھ کٹے مثل برگ گرتے ہیں
سر ایسے گرتے ہیں جیسے ثمر گ گرتے ہیں

اُدھر تو اُس نے دبا کر پرے کئے مسمار
ادھر سے رول لیا اس نے فوج کو یکبار
وہ سوئے میمنہ پہونچا علم کئے تلوار
یہ میسرہ پہ اُڑاتا ہوا گیا رہوار
عنانیں تازیوں کی پھیر پھیر کے مارا
ستم شعاروں کو یوں گھیر گھیر کے مارا

کیے دلیروں نے سینے ہدف لڑائی میں
ہوئیں ہزاروں کی جانیں تلف لڑائی میں
نہ بڑھ سکا کوئی خنجر بکف لڑائی میں
گرے پروں پہ پرے صف پہ صف لڑائی میں
ہوا پہ تکتے تھے جن و ملک بھی مُڑ مُڑ کے
فلک پہ جاتی تھیں چھینٹیں لہو کی اُڑ اُڑ کے

کسی کی چھین لی تلوار اور کسی کی سپر — کسی کا پھینک دیا لے کے خاک پر خنجر
کسی کا تیغ سے بڑھ کر گرا دیا مغفر — کسی کی سخت کماں توڑ ڈالی جھنجھلا کر
کسی کا نیزہ کسی شخص کا تبر چھینا
کسی کا گرز کلائی مروڑ کر چھینا

اشارہ بھائی سے بھائی کا تھا بڑھے جاؤ — دم ان کو لینے نہ دو اور زور دکھلاؤ
کبھی یمیں کی طرف گہہ سوئے یسار آؤ — یہ بھاگنے پہ ہیں گھوڑوں کو اور گرماؤ
قدم بڑھائے ہوئے پیچھے اٹھائے ہوئے
چلے چلو انھیں کوفے تلک بھگائے ہوئے

وہاں پہونچ کے پھر ابن زیاد کو ماریں — پھر ابن سعد لعیں بد نہاد کو ماریں
وہیں پہ شمر شقی پُر فساد کو ماریں — ہر ایک دشمن و اہل عناد کو ماریں
ظفر ہو اپنی دعائیں یہی خدا سے ہیں
پھر آ کے نہر پہ قبضہ کریں کہ پیاسے ہیں

یہ کہتے جاتے تھے اور دونوں لڑتے جاتے تھے — تنوں سے فرق تو پہونچوں سے ہاتھ اُڑاتے تھے
سمند برق کی چالاکیاں دکھاتے تھے — سوار بھاگتے تھے جس طرف یہ جاتے تھے
وہ تیز رو تھے جنھیں رخشِ وہم پا نہ سکے
وہاں پہونچتے تھے جس جا ہوا بھی جا نہ سکے

وہ سُرعتیں کہ جہاں شرم سے سحاب آب آب — روانیاں وہ کہ ابرِ رواں کو جن سے حجاب
سعادتوں میں ہما طلعتوں میں رشکِ عقاب — جہاں کی سیر میں وہ آفتاب یہ مہتاب
ہزار طرح کا حُسن اُن کے روپ میں دیکھا
کسی نے جن کا نہ سایہ بھی دھوپ میں دیکھا

بھریں یا طرارے تو پھر دم نہ مثلِ آہو لیں — چمن پہ دوڑیں تو کلیاں نہ قدم چھو لیں
نہ غرب و شرق سے پھرنے میں راستہ بھولیں — اڑیں فلک پہ تو یہ آفتاب کو چھو لیں
ہوا سے کم دمِ جولاں یہ سر بلند نہیں
کیا ہے برق کو تسخیر یہ سمند نہیں

ہر ایک تیزی و جولاں روی میں فردِ وحید — یہ دم میں طے کریں نزدیک ہو کہ راہ بعید
نہ ان کا ساتھ کبھی دے سکے ہوا کا برید — ہر ایک چشم میں پھرنا ہی ان کا قابلِ دید
خجل ہے دیدۂ آہو وہ نور کی آنکھیں
کہاں سے مل گئیں دونوں کو حور کی آنکھیں

اُڑیں چمن میں سمن کی کلی کے ہوش وہ گوش — ثنا میں جن کی ہیں مداح بھی خموش وہ گوش
سُنے نہ کانوں نے ہیں خوشنما یہ گوش وہ گوش — نثار پھول کریں جن پہ گلفروش وہ گوش
ان اشہبوں کا اگر قاف تک گزر ہو جائے
پری بھی حلقہ بگوش ان کو دیکھ کر ہو جائے

ہوا سے دوڑتے ہیں اور دم ان کے بھرتے نہیں — سوار جس سے ہو ناخوش وہ کام کرتے نہیں
خود ان سے شعلہ بھڑکتا ہے اور یہ ڈرتے نہیں — کسی مقام پہ رُکتے نہیں ٹھہرتے نہیں
چمک ہے بدر کی سب آئینوں میں سینے کے
خواص پارے کا قطروں میں ہے پسینے کے

سُبک خرامی و شائستگی میں یکتا ہیں — قدم روانی میں دونوں کے موجِ دریا ہیں
نثار جست پہ آہوئے کوہ و صحرا ہیں — چلیں تو سامنے کبکِ دری بھلا کیا ہیں
ادائیں دونوں کی گم ہوش و عقل کرتی ہیں
انھیں کی چال کی پریاں بھی نقل کرتی ہیں

وہ سینے چاند سے، خم گردنوں میں شکل ہلال　　وہ چشم آنکھوں سے جن پر نثار چشم غزال
وہ پیش و پس کہ سراپا ہی جن کا وصف محال　　وہ سُم وہ گامچیاں اور وہ مشک بیز ایال
جمال و حُسن پہ ان کے قوی دلیلیں ہیں
کہ جن کے نعل مہ نو ستارے کیلیں ہیں

یہ وہ فرس ہیں کہ سُنتے ہیں سب جو رکھتے ہیں گوش　　انھیں کو کہتے ہیں غازی اغر اکادہمیں ہے جوش
جو زخم کھائیں تو جاتی نہیں ہے تیزی ہوش　　قدم ہٹاتے نہیں لاکھ فوج میں ہو خروش
گرے جو پشت سے راکب تو پاس رہتے ہیں
اسی جہت سے وفادار انھیں بھی کہتے ہیں

اِدھر تھا فوج مخالف میں واہ واہ کا غلُ　　اُدھر یہ کہتے تھے بڑھ کر شہ حبیشتم رسُل
دکھا رہے ہو سب انداز صاحب دُلدل　　کوئی گھڑی میں ہے لشکر کا خاتمہ بالکل
سلف سے آج تلک رن پڑا نہیں ایسا
قلیل عُمر میں کوئی لڑا نہیں ایسا

صدا یہ دیتے تھے دونوں کو تائم و عباس　　تمھاری کرتے ہیں تعریف شاہ رتبہ شناس
یہ جنگ واہ، یہ حملے، یہ تین روز کی پیاس　　ہٹی ہے فوج کسی کے نہیں ہیں جمع حواس
ہراس چھا گیا ہے بھاگنے میں گرتے ہیں
سگوں کی طرح یہ موذی دبکتے پھرتے ہیں

یہ سُن کے جھک گئے بہر سلام وہ غازی　　کہا کہ مل گیا بس خلعت سرافرازی
اڑائے فوج یہ دونوں نے بڑھ کے پھر تازی　　دکھائی شیروں نے پھر اپنی اپنی جانبازی
چلن علیؑ کی دغا کا دکھا کے لڑنے لگے
پھر ان کی ضرب کے سکّے یہ سکّے پڑنے لگے

یہ رنگ دیکھ کے چلایا ابنِ سعدِ لعیں سپاہیوں ادھر اپنے قدم بڑھاتے نہیں
ہزاروں اس طرف اور دو وہ طفلِ ماہ جبیں دلیر ہوتے ہیں ایسے بھی بدحواس کہیں
یہ جنگ فتح کرو پھر جواہر و زر لو!
انھیں نکلنے نہ دو اب محاصرہ کر لو

بڑھے یہ سنکے جفاکار چار جانب سے ہوئی خدنگ کی بوچھار چار جانب سے
گرے صغیروں پہ خونخوار چار جانب سے گھرے حسینؑ کے دلدار چار جانب سے
لہو کی دھار ہر اک زخم تن سے چھٹنے لگی
بضاعتِ اسد کردگار لٹنے لگی

کجا وہ پھول سے تن اور سنان و تیر کجا کجا وہ گرز گراں اور دو صغیر کجا
وہ ابر شام کجا وہ مہ منیر کجا وہ لالہ فام کجا لشکر کثیر کجا
شریر چھائے ہیں سولہ پہر کے پیاسوں پر
ہجوم ہے اسد اللہ کے نواسوں پر

بدن پہ تیغوں کے ہنس ہنس کے زخم کھاتے ہیں سروں پہ پڑتے ہیں جب گرز مسکراتے ہیں
سیاہ کفر کے ریلے چلے جو آتے ہیں سنانیں بھکتی ہیں گھوڑے جدھر بڑھاتے ہیں
عطش سے غش کی ہے نوبت سنبھل نہیں سکتے
چھ لاکھ کی ہے کشاکش نکل نہیں سکتے

ادھر ہے مضطر و بیتاب دلبر شبیرؔ تڑپ رہے ہیں علمدار اٹھائے تیغ و سپر
یہ عرض کرتے ہیں شبیرؔ سے علی اکبر حضور گھر گئے فوجوں میں اب پھوپھی کے پسر
نگاہ کیجئے دونوں کے زخم کھانے کو
غلام جاتا ہے بچوں کے اب بچانے کو

حسینؑ کہتے ہیں زینب سے پوچھ کر جاؤ مری تو خود یہ خوشی ہے انھیں بچا لاؤ
یہ سُن کے بنت علیؑ نے کہا نہ گھبراؤ نثار ہونے دو ماموں پہ تم ادھر آؤ
دعا ہے شب سے یہی فاطمہؑ کی جائی کی
وہ مارے جائیں بچے جان میرے بھائی کی

وہ مجھ سے کہہ کے گئے ہیں کہ اب نہ آئیں گے لڑیں گے مثل علیؑ جرأتیں دکھائیں گے
پھریں گے تب جو لعینوں پہ فتح پائیں گے جو مر گئے تو سوئے سلسبیل جائیں گے
مجھے یقین ہے زخموں سے چور رہیں دونوں
کہا ہے جو وہ کریں گے غیور رہیں دونوں

پھوپھی کی جان ہو تم نور چشم خیر ورا کیا ہے بھائی کے بچوں پہ میں نے ان کو فدا
یہ اضطراب غلاموں کے واسطے کیا گھرے ہیں لشکر اعدا میں گر تو خوف ہے کیا
بچا کے اُن کو نہ مقتل سے لائیو بیٹا
یہی خوشی ہے تو لاشوں پہ جائیو بیٹا

خیال ہے کہ نہ لاشے ہوں پائمال کہیں سر ان کے کاٹ نہ لے جائیں بدخصال کہیں
سدھاریں خدمت جد میں وہ نونہال کہیں نہ آئے دولت شبیرؑ پہ زوال کہیں
وہ دن ہے رات اگر مہر دیں پناہ نہ ہو
لٹے بہن مرے بھائی کا گھر تباہ نہ ہو

یہ ذکر تھا کہ وہاں وہ قمر زمیں پہ گرے ابوترابؑ کے لخت جگر زمیں پہ گرے
اُٹھا یہ غل کہ وہ عالی گہر زمیں پہ گرے فرس سے شہ کی بہن کے پسر زمیں پہ گرے
خزاں کی تیغ چلی مرتضیٰ کی کھیتی پر
تڑپ رہے ہیں وہ معصوم گرم ریتی پر

ادھر سے روتے ہوئے اکبرِ حسیں دوڑے
جگر پہ ہاتھ دھرے قاسمِؑ حزیں دوڑے
علم لیے ہوئے تلوار شاہِ دیں دوڑے
اُٹھا کے نیزے کو عباسؑ مہ جبیں دوڑے
کہیں تھمے نہ کہیں بڑھ کے رُک گئے شبیرؑ
ہٹا کے فوج کو لاشوں پہ جھک گئے شبیرؑ

یہ دیکھا حال کہ مجروح جسم ہیں سارے
زبانیں ہونٹوں کے باہر ہیں پیاس کے مارے
زمیں پہ بے حرکت ہیں وہ عرش کے تارے
جہاں سے جاتے ہیں بنتِ بتولؑ کے پیارے
ڈھلی ہیں گردنیں منھ سے لہو اُگلتے ہیں
پھری ہیں پتلیاں بچوں کے دم نکلتے ہیں

لپٹ کے دونوں کے لاشوں سے شہ یہ چلّائے
اُٹھو زمیں سے کہ روتے ہوئے ہیں ہم آئے
غضب کے زخم ہیں اس گُل سے جسم پر کھائے
ہمارے بدلے ہوئے قتل اور یہ دُکھ پائے
غمِ فراق سے دل ماں کا توڑے جاتے ہو
بہادرو! ہمیں غربت میں چھوڑے جاتے ہو

یہ سُن کے ہوش میں آئے وہ دونوں گُل اندام
زبانیں اینٹھی ہوئی تھیں مگر کیا یہ کلام
ہزار جانِ گرامی فدائے پائے امام
کہا تھا والدہ نے جو بجا وہ لائے غلام
بس اور کہہ نہ سکے کچھ گزر گئے دونوں
قدم پہ شاہ کے سر رکھ کے مر گئے دونوں

اٹھائے خاک سے لاشے حسینؑ نے جھک کر
علم کا سایہ علمدار نے کیا اُن پر
برہنہ سر ہوئے ہمراہ قاسمؑ و اکبرؑ
جب آئے در پہ تو چلّائی زینبؑ مضطر
کچھ ان میں جان ہے یا خوں میں بھر کے آئے ہیں
پکارے شہ کہ بہن دونوں مر کے آئے ہیں

کہا کہ شکر ہے میری دعا قبول ہوئی
خجل نہ روحِ نبیؐ سے یہ دل ملول ہوئی
جو آرزو مرے بچوں کی تھی حصول ہوئی
ہوئے شہید یہ خوش دخترِ بتولؑ ہوئی
سوئے بہشت روانہ یہ گلعذار ہوئے
خدا کی راہ میں پیارے مرے نثار ہوئے

یہ کہہ کے لاشوں پہ جس دم کی بغور نظر
وہ چہرے چاند سے دیکھے کہ سب لہو سے ہیں تر
رہی نہ تاب ہوا غم سے ٹکڑے ٹکڑے جگر
بڑھائے دونوں محبت سے ہاتھ سوئے پسر
بھر آیا سینے میں دل بیقرار ہونے لگیں
بس اپنی گود میں چھوٹے کو لے کے رونے لگیں

چلیں حرم میں گلے سے اُسے لگائے ہوئے
پکارتی تھیں یہ آئے ہیں زخم کھائے ہوئے
فلک کے ہیں یہ مصیبت زدہ ستائے ہوئے
غریب ماں سے ہیں آنکھیں مگر چرائے ہوئے
یہ داغ اُٹھانے کی خاطر مرا کلیجا تھا
وہی ہیں یہ جنھیں دولھا بنا کے بھیجا تھا

اُدھر سے پیٹتے سر اپنے سب حرم آئے
تمام طفل بھی روتے ہوئے بہم آئے
بپا تھا حشر کہ حضرت بچشمِ نم آئے
بڑے کی لاش لیے قبلۂ اُمم آئے
رکھی جو عونؑ کی میت زمیں پہ سرور نے
لٹا دی پہلو میں چھوٹے کی لاش مادر نے

خدا کسی کو نہ دے اس طرح غمِ اولاد
کسی کا گلشنِ آباد یوں نہ ہو برباد
پڑے ہیں شیر سے بیجاں وہ غیرتِ شمشاد
قریب لاشوں کے مضطر ہیں زینبِ ناشاد
پکڑ کے دل کبھی اُٹھتی ہیں گاہ گرتی ہیں
بلائیں لے لے کے دونوں کے گرد پھرتی ہیں

کبھی تو پیٹتی ہیں سینہ جھک کے اور کبھی سر کبھی ہے اس پہ کبھی پیار کی ہے اُس پہ نظر
نثار ہوتی ہیں گہہ اس پہ اور کبھی اُس پر کبھی چھڑاتی ہیں زخموں سے خون رہ رہ کر
غم و الم کی سنانیں جگر پہ چلتی ہیں!
کبھی لہو بھرے سینوں پہ مُنھ کو ملتی ہیں!

کبھی ہے یہ بین کہ اے لال ماں کو چھوڑ گئے جہاں سے اُٹھ گئے اس خستہ جاں کو چھوڑ گئے
غریب و بیکس و تشنہ دہاں کو چھوڑ گئے ستمگروں میں امام زماں کو چھوڑ گئے
سرہانے لاشوں کے مُنھ آنسوؤں سے دھوتے ہیں
تمھیں خبر نہیں اُٹھو حسینؑ روتے ہیں

تمھاری چھوٹی سی لاشوں کے ہو نثار یہ ماں نہ کیوں ہو مضطر و نالان و بیقرار یہ ماں
لکھا تھا بیٹوں کے غم میں ہو اشکبار یہ ماں ہوئی ہے ساتھ ہی دونوں کی سوگوار یہ ماں
بتاؤ بی بو کس کے الم میں روؤں میں
بڑے کو روؤں کہ چھوٹے کے غم میں روؤں میں

عطش میں برچھیاں کھانا ہوا نصیب تمھیں لہو میں آج نہانا ہوا نصیب تمھیں!
دولھن نہ بیاہ کے لانا ہوا نصیب تمھیں وطن میں پھر کے نہ جانا ہوا نصیب تمھیں
یہ کیا کہ باپ کو بھی کچھ پیام دے نہ گئے
گلہ یہ ہے مجھے کیوں اپنے ساتھ لے نہ گئے

نفیسؔ بس کہ جگر غم سے چاک چاک ہے اب غم و الم میں ہیں سب عاشقان شاہ عرب
دعا یہ کر کہ بحقِ آلِ مصطفےٰ یارب عطا ہو اب جو مرے دل کا خاص ہے مطلب
ملا ہے مجھکو وصی رسولِ امجد سے
طلب ہے عون کی بس تجھ سے اور محمدؑ سے

۷۸۶

دوسرا مرثیہ

در حال حضرت قاسم علیہ السلام

(بند ۱۰۸)

باغ سخن میں آمد فصلِ بہار ہے　　یعنی شروع ذکر شہ نامدار ہے
مضمون نو کا پیش نظر لالہ زار ہے　　لفظوں سے بوئے عنبر خامہ آشکار ہے
رہ رہ کے نغمہ سنج ہوں کیا خوش نصیب ہوں
اس باغ پُر بہار کا میں عندلیب ہوں

گُل کی طرح سے غنچۂ خاطر شگفتہ ہے　　ظاہر خوشی ہے، بادِ خزانی نہفتہ ہے
جتنا کلام تازہ ہے بے شبہ رفتہ ہے　　جو عیب ہے، وہ سلک گہر ہائے سُفتہ ہے
مضموں کی آبرو ہے ترقی ہے اوج ہے
بین السطور چشمۂ کوثر کی موج ہے

گلدستۂ سخن ہے خوش اسلوب و خوشنما　　ہر مصرع لطیف ہے دلچسپ جانفزا
بین السطور ہے کہ یہ ہے منہجُ الصفا　　یا جا بجا ہے باب سعادت کھُلا ہوا
یاں داخلہ ہے گلشن دیں کی شمیم کا
ہر بیت ایک قصر ہے باغ نعیم کا

حرفوں کے دائروں میں ضیا ہے بھری بھری   نقطے ہیں صاف مردمکِ دیدۂ پری
مصرع ہر ایک کرتا ہے گیسو سے ہمسری   صحنِ ارم سے کرتا ہے کاغذ برابری
نگہت ہر ایک نظم خوش آئیں میں جمع ہے
خوشبو کہاں کہاں کی مضامیں میں جمع ہے

ہے بڑھ کے حسنِ حور سے حسنِ جمالِ نظم   پھولوں سے ہے بھری ہوئی شاخِ نہالِ نظم
ہیں سب گراں بہا گہرِ بے مثالِ نظم   ہے دل فروز جلوۂ ماہِ کمالِ نظم
قدر اس کی ہے اسی کو جو روشن دماغ ہے
جو لفظ ہے وہ بزمِ سخن کا چراغ ہے

مدِ نگاہِ رحمتِ خالق ہے یہ کلام   دیکھو حدیث کے بھی موافق ہے یہ کلام
باعث ہے مدحِ آل کے فائق ہے یہ کلام   یعنی درود پڑھنے کے لائق ہے یہ کلام
صلِ علیٰ کہ نور کی میری بھی فکر ہے
قرآں میں جس کا وصف ہے یاں اُس کا ذکر ہے

حقا کہ اس کلام کے رتبوں کی حد نہیں   کب یہ کلام معتبر و مستند نہیں!
پہونچی ہے فکر خلد تلک نابلد نہیں   اس کی قبولیت کی یہاں کیا سند نہیں
کچھ کم نہیں یہ گلشنِ عنبر سرشت سے
ڈانڈا ملا ہے مُلکِ سخن کا بہشت سے

ہوں مدح خوانِ آلِ علیؑ کا، نہ کیونکر کروں میں ناز   کام آیا یہ کلام زہے لطفِ کارساز
اس نظم نے کیا مجھے عالم میں سرفراز   پھر کیوں کسی کے آگے جھکاؤں سرِ نیاز
دنیا یہ کیا ہے سلطنتِ فانیہ ہے کیا
اب میرے آگے حشمتِ سلطانیہ ہے کیا

شوکت ملی ہے وہ مجھے سرکارِ شاہ سے　شاہوں کے تاج گر گئے میری نگاہ سے
رفعت وہ پائی فیضِ رسالت پناہ سے　نیچا سرِ فلک ہے مرے عزّ و جاہ سے
خاکِ نجف سے بہرہ ور و کامیاب ہوں
میں آستانہ بوسِ درِ بوترابؑ ہوں

ان کی غلامی اپنا حشم جانتا ہوں میں　طبل و علم دوات و قلم جانتا ہوں میں
شاہی ثنائے شاہِ اُمم جانتا ہوں میں　ذرّے سے زرِ ناب کو کم جانتا ہوں میں
اپنے حصیرِ کہنہ کو قالیں سمجھتا ہوں!
میں جامِ جم کو جامِ سفالیں سمجھتا ہوں

دولت نہیں جو پاس تو کچھ پیش و پس نہیں　نانِ جوینِ خشک یہ کیا مجھ کو بس نہیں
زنہار خوانِ اہلِ دول کا مگس نہیں　زر کی محوسوں کی طرح سے ہوس نہیں
خواہش ہے نقدِ حُبِّ شہنشاہِ پاک کی
اکسیر میرے سامنے چٹکی ہے خاک کی

کیا مدحِ جانشینِ محمدؐ کروں بیاں　عاجز ثنا میں جن کی دو عالم کی ہے زباں
محبوبِ حق ہیں، آپ ہے خدا ان کا قدرداں　ہیں لاتعد مناقبِ شاہنشہِ زماں
مجبور کس زباں سے ثنائے ولی کرے
گن لے جو کُل ستارے تو وصفِ علیؑ کرے

خورشید و ماہ و انجمِ تابان و نُہ فلک　غلمان و حور و جنت و انس و جن و ملک
دنیا میں غرب و شرق و جنوب و شمال تک　یہ کیا ہیں بلکہ عالمِ بالا سے تا سمک
مختارِ کائنات خدا کا وزیر ہے
ان سب پہ اختیارِ جنابِ امیرؑ ہے

سُلطانِ خلق، صاحب مسند، امیر خلق　　ممدوح خلق، حامیِ برنا و پیر خلق
مقصودِ خلق، ماہر مافی الضمیر خلق　　سرتاج خلق، دستِ ندا، دستگیر خلق
کس کس نے ان کی مدح میں کیا کیا کہا نہیں
لیکن شمار و حصر نہیں انتہا نہیں

فرزند وہ ملے کہ جو بے مثل و بے عدیل　　ذی جاہ شاہزادہ میکال و جبرئیل
جانِ نبیؐ حسینؑ و حسنؑ سیّد جلیل　　میراث جد و اب کے محق وارث خلیل
تو قیر پائی حصۂ خاصانِ رب ملا
جو کچھ نبیؐ کو حق نے دیا ان کو سب ملا

پوتے کیے وہ خالق کونین نے عطا　　جو نور چشم فاطمہؑ افضل النساء
یوسفؑ جمال قاسمؑ و اکبرؑ سے مہ لقا　　ہم صورتِ حسنؑ وہ، یہ ہمشکلِ مصطفٰیؐ
کیا مرتبہ وصیِ رسولِ خدا کا تھا
یہ تازہ باغ فاطمہؑ و مرتضٰیؑ کا تھا

لوٹا نہ باغِ شاہ نجف باغیوں نے آہ　　تیغ و تبر سے کاٹے وہ سب نخل بے گناہ
جلیا کہ خاندانِ امامت ہوا تباہ　　اُجڑا نہ ہوگا ایسا کوئی گھر خدا گواہ
سارے نہالِ فاطمہؑ پھولے پھلے کٹے
بچے تلک کے پیاس میں سوکھے گلے کٹے

اب اہل درد حال شہ کربلا سُنیں　　پامالی ریاض رسولِ خدا سُنیں
ایذا رسانیِ ستم اشقیا سُنیں　　جور و جفائے اُمّت خیر الوریٰ سُنیں
ہفتم سے بابِ امن و اماں بند ہو گیا
آلِ نبیؐ یہ آبِ رواں بند ہو گیا

سیراب اُدھر ہیں فوج یزیدی کے اشقیا — گھیرے ہوئے ہیں نہر کو سب دشمن خدا
مشکیں بھرے کھڑے ہوئے سقے ہیں جابجا — خیموں کے آگے کرتے ہیں چھڑکاؤ بے حیا

آرام سے علاوہ شر مشرقین ہیں
پانی زمین پیتی ہے پیاسے حسینؑ ہیں

سب جاں بلب عطش سے ہیں خیمہ میں خستہ حال — غش ہے سکینہ، اصغر بے شیر ہے نڈھال
سر کھولے گھر میں پھرتی ہیں زینب کا ہے یہ حال — لب پر یہی دعا ہے کہ اے رب ذو الجلال

پانی بھی بند کر دیا فوجوں نے شام کی
جانیں بچا لے عترتِ خیر الانام کی

منقول ہے کہ روز نہم جب ہوا تمام — شب بھر رہے عبادت معبود میں امام
سجدہ کبھی تھا گاہ قعود اور کبھی قیام — وہ آخری تھی بندگیِ خالقِ انام

سوئے نہ آپ، جاگ کے وہ شب بسر ہوئی
امت کی مغفرت کی دعا میں سحر ہوئی

دسویں کی صبح سے تو قیامت ہوئی بپا — تیر ستم لگا کے بڑھی فوجِ اشقیا
ہونے لگے شہید دلیرانِ باوفا — یاں تک کہ قتل ہو گئے زینب کے دلربا

اک غل ہوا خیام شہ خوش نہاد میں
مارے گئے علیؑ کے نواسے جہاد میں

روئے جو مل کے سب حرم شاہ نامدار — فرطِ قلق سے دل ہوا قاسمؑ کا بیقرار
ہمشکل مصطفےٰ سے یہ بولا وہ ذی وقار — ہم جائیں گے بس اب طرف دشت کارزار

جو سب سے کم تھے عمر میں وہ تو گزر گئے
مارے گئے پھوپھی کے پسر ہم نہ مر گئے

کہنے لگے یہ رو کے علیؑ اکبرِ جواں | شرمندہ ہم بھی ہیں پھوپھی اماں سے بھائی جاں
للہ تم ابھی سوئے مقتل نہ ہو رواں | ہونے دو پہلے ہم کو نثارِ شہِ زماں
تم نورِ چشمِ شبّرِ عالی جناب ہو
بھیا بڑے چچا سے نہ ہم کو حجاب ہو

دونوں کا قصد سُن کے یہ عباسؑ نے کہا | محجوب بنتِ فاطمہؑ سے میں نہیں ہوں کیا
آگے مرے شہید ہوئے دو یہ مہ لقا | آقا سے پہلے لوں گا میں ہی رخصتِ وغا
غمخوارِ اہلبیتِ رسولِ انام ہوں
تم دونوں شاہزادے ہو اور میں غلام ہوں

ڈیوڑھی پہ رو رہے تھے جو حضرت بحالِ یاس | گھبرا کے آئے قاسمؑ گلرو چچا کے پاس
کی دست بستہ عرض کہ اے آسماں اساس | اب ہوں گا میں نثارِ شہنشاہِ حق شناس
امدادِ نورِ چشمِ رسولؐ خدا کروں
حق پالنے کا آپ کے میں بھی ادا کروں

بڑھتی ہوئی ادھر چلی آتی ہے فوجِ شام | واں اقتلوا الحسین کا ہے شور، یا امام
ہیہات سب حضور کا لشکر ہوا تمام | یاں تک کہ آئے عونؑ و محمدؑ بھی رن میں کام
باقی اب ایک آپ کے نورِ نگاہ ہیں!
اک میں ہوں اور ایک علمدارِ شاہ ہیں

ہمشکلِ مصطفیٰؐ بھی ہیں آمادۂ وغا | عازم ہیں اذن لینے کے عباسؑ باوفا
اکبر ہیں پارۂ جگرِ بنتِ مرتضیٰؑ | چھوٹے چچا ہیں بازوئے سلطانِ کربلا
جی جاؤں گا جو مجھ کو دُرِ مدعا ملا
مر جاؤں گا اگر انہیں اذنِ وغا ملا

یا شاہِ دیں شبیہ پیمبر کو رو چکے بہر اللہ اپنے برادر کو رو چکے
آرامِ جانِ زینبِ مضطر کو رو چکے مجھ کو نہ رو چکے علی اکبرؑ کو رو چکے
کہ اب مجھے مدد میں سفر سحر دیر کی ہے
لاؤں بجا اُسے جو وصیت پدر کی ہے

بابا نے میرے باب میں جو کچھ کہ ہے لکھا حضرت بھی پڑھ چکے ہیں وہ خط، یا شہِ ہدا
ہے اس غلام پہ یہی تاکید مجتبےٰؑ جس دن چچا تمہارے ہوں آفت میں مبتلا
آئے نہ رنج اکبرِ یوسف جمال پر
تم پہلے صدقے ہو جیو زہراؑ کے لال پر

فرمایا شاہ نے تمھیں کس طرح دوں رضا تم میری جان و روح ہو اے میرے دلربا
پہلو سے اپنے تم کو کیا ہے کبھی جدا؟ میرے سپرد کر گئے ہیں تم کو مجتبےٰؑ
اپنے قمر کو شام کے بادل میں بھیج دوں
گودی میں جس کو پالا ہو مقتل میں بھیج دوں

بیٹوں سے اپنے تم کو زیادہ کیا ہے پیار دم بھر مجھے فراق تمھارا ہے ناگوار
جینے کی جس کے حق سے دعا کی ہو بار بار اب اُس کو مرنے بھیجے یہ مظلوم و دل فگار
خیمہ میں غل ہو نالہ و فریاد و آہ سے
لاؤں تمھاری لاش کو میں قتل گاہ سے

کی عرض مجھ سے چھوٹے تھے زینب کے دلربا اُن کو ملا جو اذن، مجھے بھی ملے رضا
فرمایا شاہِ دیں نے کہ اے میرے مہ لقا دی اُن کو بنت فاطمہ نے رخصتِ وغا
گو غم سے میرا شیشۂ دل چور ہو گیا
زینب مُصر ہوئیں تو میں مجبور ہو گیا

یہ کہہ کے مثلِ ابر ہوئے شاہ اشکبار ... انجام سوچ کر نہ رہا دل پہ اختیار
حضرت رضا نہ دینگے یہ سمجھا وہ گلعذار ... کھینچی اک آہ سرد لگا رونے زار زار
تیرِ ملال پار ہوا دل کو توڑ کے
قدموں پہ شہ کے رکھ دیا سر ہاتھ جوڑ کے

فرمایا شہ نے سر تو اٹھاؤ چچا نثار ... لپٹو گلے سے، جاؤ سوئے دشتِ کارزار
راہِ خدا میں تم بھی فدا ہو دل فگار ... تسلیم کر کے خیمہ میں آیا وہ گلعذار
رہنا تھا ناگوار جو دنیائے زشت کا
ہونے لگا وداع مسافر بہشت کا

خدمت میں والدہ کی یہ جا کر کیا بیاں ... رخصت ملی چچا سے، خدا حافظ اماں جان
جی بھر کے دیکھ لیجے، نہ آئینگے اب یہاں ... چھٹنے کے بعد آپ کہاں اور ہم کہاں
کیجے بحل اگر کوئی میرا قصور ہو
اور دودھ بخشیے کہ جگر کو سرور ہو

سننا تھا یہ کہ ہو گیا مادر کا غیر حال ... فرمایا ہائے جاتے ہو مرنے کو میرے لال
پھر بیکسی کا شہ کی جو دل میں کیا خیال ... فرمایا جاؤ حافظ و ناصر ہے ذوالجلال
اچھا مدد حسینؑ کی اے نیک خو کرو
سر دے کے فاطمہ سے مجھے سرخرو کرو

یہ کہہ کے دونوں ہاتھ اٹھائے سوئے سپہر ... دلبند نے لگا دیا سینے سے بڑھ کے سر
مل کر گلے سے ماں کے چلا جب وہ تشنہ جگر ... ہاتھوں سے دل پکڑ کے یہ بولی وہ نوحہ گر
شوقِ نبرد میں ہیں ہر رگ میں کھنچے تنے ہوئے
جاتے ہو قتل گاہ میں دولہا بنے ہوئے

نکلا محل سے حضرتِ شبّر کا لالہ فام — دیکھا کہ رو رہے ہیں امامِ فلک مقام
مل کر گلے سے شہ کے ادب سے کیا سلام — زینت فزائے زیں ہوا شہزادۂ انام
چہرے کی ضو مثالِ قمر تا فلک گئی
چمکا فرس کہ آنکھوں میں بجلی چمک گئی

رُخ کر کے رزم گاہ کا جولاں کیا سمند — شکلِ عقاب اُڑ کے چلا اسپ سربلند
آہو کی جست ہیں چوکڑیاں شیر کی زغند — زرّیں خصال، ابرِ رواں، تیز، ہوشمند
چاہا کہ لوں قدم، پہ صبا چل کے رہ گئی
شرمندہ ہو کے پیچھے وہ منفعل کے رہ گئی

چہرے نے حسنِ یوسفِ کنعاں دکھا دیا — عارض نے نورِ مہرِ درخشاں دکھا دیا
رُخ نے جمالِ شبّرِ ذی شاں دکھا دیا — آنکھوں نے رعبِ سرورِ مرداں دکھا دیا
شوکت پکاری لال خدا کے ولی کے ہیں
جرأت نے دی صدا کہ یہ پوتے علیؑ کے ہیں

پہونچا جری قریب، جو دشتِ قتال کے — نیزہ ہلایا رخش کو کاوے پہ ڈال کے
دکھلائے ولولے اسدِ ذوالجلال کے — دب دب گئے پرے سپہِ بد خصال کے
انبوہ فوج دیکھ کے تیوری بگڑ گئی
رستم قدوں سے آنکھ لڑائی میں لڑ گئی

مثلِ اسد نگاہ یمین و یسار کی — مطلق جچی نظر میں نہ صف دو ہزار کی
دل میں ہوس دو چند ہوئی کارزار کی — صورت دکھائی گھوڑے پہ دلدل سوار کی
کچھ اعتنا نہ کی کسی نامی کو دیکھ کر
جھومے فرس پہ ازرق شامی کو دیکھ کر

اب رنگِ رزمِ قاسمِ گلفام دیکھیے — چلتی ہوئی نبرد میں صمصام دیکھیے
ضربِ دلیر و حملۂ ضرغام دیکھیے — زیر و زبر صفِ سپہِ شام دیکھیے
مل جائے شکلِ خاک میں ہر ہر ذرہ گرد کی
تصویر کھینچتا ہوں علیؑ کی نبرد کی

لو اُس طرف سے لشکرِ اہلِ ستم بڑھا — بڑھ کر رجز اِدھر سے یہ عالی ہمم بڑھا
غیظ و غضب میں دلبرِ شاہِ اُمم بڑھا — کاٹھی سے تیغ لی فرسِ خوش قدم بڑھا
چمکی حسام تیغِ دو پیکر کی شان سے
صف میں در آئے فاتحِ خیبر کی شان سے

حملہ کیا جری نے تو بابِ ظفر کھلا — واں کافروں کے واسطے دوزخ کا در کھلا
لشکر یہ زورِ دستِ قوی سر بسر کھلا — جو بند تھا صفوں سے، وہ رستہ اُدھر کھلا
لاشوں سے قتل گہ کی زمیں پاٹتے ہوئے
آگے بڑھے نبرد میں سر کاٹتے ہوئے

چلنے لگی جری کی یمین و یسار تیغ — کیا ہاتھ زوردار تھا کیا آبدار تیغ
دشمن تھی منکروں کی دمِ کارزار تیغ — یکتا رَوِش میں تھی صفتِ ذوالفقار تیغ
گھاٹ ایک باڑھ ایک سی تھی لنگر ایک تھے
گو پھل جدا جدا تھے مگر جوہر ایک تھے

وہ تیغ شعلہ بار، تو آتش فشاں یہ تھی — وہ تیغ فتح یاب تو نصرت نشاں یہ تھی
وہ بے پناہ بہرِ عدو، بے اماں یہ تھی — وہ صاعقہ، تو برقِ تہِ آسماں یہ تھی
کیا فرق؟ دونوں کاٹ میں تھیں ایک ساتھ کی
دادا کے ہاتھ کی وہ، یہ پوتے کے ہاتھ کی

ان میں بھی سب علی کی لڑائی کا رنگ تھا
بڑھنا سپاہ کیں پہ وہی بے درنگ تھا
غصہ وہی تھا جوش وہی وقت جنگ تھا
حملہ وہی تھا اور وہی ضرب کا ڈھنگ تھا
رعب ایک قتل کرنے میں دشمن کے گھات ایک
ہاتھ ایک قوت ایک قدم کا ثبات ایک

کیا لڑ رہے ہیں لاکھوں سے لخت دل حسن
سنگین ہیں ضربتیں صفت شاہ بت شکن
زن زن جو تیغ چلتی ہے لرزاں ہیں تیغ زن
گرتے ہیں سر زمین پہ جب بولتا ہے رن
اڑتی ہے خاک ان کی راہیں بھی بند ہیں
ذروں سے الاماں کی صدائیں بلند ہیں

بھولے ہیں اپنی تیغ زنی تیغ زن تمام
کھوئے ہیں نام پیلتنی پیل تن تمام
ٹالے ہیں اپنی صف شکنی صف شکن تمام
تیر افگنی کو چھوڑے ہیں ناوک فگن تمام
یہ قصد ہے کہ بھاگ کے شکلیں بدل چلو
صورت نکالو ایسی، یہاں سے نکل چلو

وہ غل وہ شور لشکر سفاک اب نہیں
تیروں کی خنجروں کی چمک خاک اب نہیں
تیغوں کی ناوکوں کی چکا چاک اب نہیں
کہتی ہے موت دم میں یہ ناپاک اب نہیں
قوت کو ان کی بن گئے انجان بوجھ کے
کیوں جان مرتضےٰ سے لڑے جان بوجھ کے

سر اُڑ رہے ہیں چل رہی ہے صرصر فنا
سینہ ہر اک کا خوف کے تیروں سے ہے چھنا
صحرائے حشر دشت پُر آشوب ہے بنا
کرتے ہیں اس جہاد کی جن و ملک ثنا
جب توڑتے ہیں بڑھ کے صفیں کارزار کی
خود موت داد دیتی ہے ایک ایک وار کی

بڑھتے ہیں جب سمند کو رانوں میں داب کے — نصرت ادب سے لیتی ہے بوسے رکاب کے
حملوں کو دیکھ کر خلفِ بوترابؑ کے — اقبال چوم لیتا ہے بازو جناب کے
مثلِ علیؑ وغا ہے جو شمشیر کے ماہ کی
آتی ہے آسماں سے صدا واہ واہ کی

نعرے ادھر یہ ہیں کہ جوانو قدم بڑھاؤ — کیوں مُنہ چھپا کے ہٹ گئے تیغیں پکڑ کے آؤ
وہ رشکِ سام اب ہیں کدھر سامنے بلاؤ — جو ہم نے توڑ دی ہیں صفیں پھر انھیں جماؤ
اب وہ بڑھیں ادھر جو وغا پر تُلے نہیں
اچھی طرح ابھی مرے جوہر کھُلے نہیں

زورِ علیؑ تو ہم نے دکھایا نہیں ابھی — کوئی جری اُدھر نظر آیا نہیں ابھی
سرِ شمرِ سنگ دل کا اُڑایا نہیں ابھی — ڈھونڈھا پر ابنِ سعد کو پایا نہیں ابھی
کیا فوج کیں میں ایک بھی صفدر بڑا نہیں
شیروں سے اب تلک کوئی جم کر لڑا نہیں

سرہنگِ ترک زادِ ربیع و روم ہیں کدھر — آئے جو شام و کوفہ سے وہ شوم ہیں کدھر
لشکر کے پیل تن نہیں معلوم ہیں کدھر — جن جن بلیوں کے زور کی ہے دھوم ہیں کدھر
کیا ہے جو خیرہ سر ادھر آتا نہیں کوئی
ایسے ڈرے کہ سر اب اُٹھاتا نہیں کوئی

بولے شمر کردگار کے فرزند لڑتے ہیں — پھر چھوڑتے نہیں ہیں جو میداں پکڑتے ہیں
ہٹتے نہیں ہیں کھیت سے یوں پاؤں گڑتے ہیں — چہرے بگاڑ دیتے ہیں جب ہم بگڑتے ہیں
اب تک نہیں ہے فرق ہمارے حواس میں
دو لاکھ کو بھگا دیا تین دن کی پیاس میں

ازرق الگ کھڑا ہے جدا پیارا جائے   مڑ مڑ کے ایک ایک سے کہتا ہے وہ کہ ہائے
اتنا کوئی نہیں جو سر اس ہاشمی کا لائے   بڑھ کر مقابلہ تو کرے جو آئیں دکھائے
لڑکے سے پہلوان عرب بھاگے جاتے ہیں
کیا خوب منچلے ہیں کہ سب بھاگے جاتے ہیں

بولا یہ ابن سعد کہ پھر آپ ہی جائیے   کچھ پیش و پس نہ کیجیے گھوڑا بڑھائیے
آپ اپنی رستمی و دلیری دکھائیے   پھر کیا ہے، جا کے اس پہ نہ گر فتح پائیے
سب کر چکے وغا میں بخوبی کد اے جواں
مشہور ہے کہ جنگ دو سر دارد اے جواں

یکتا تہمتنی میں ہو اس میں نہیں خلاف   کیا اس میں شک درست ہے یہ لاف و گزاف
پر دیکھتا تھا میں، وہ بڑھا جب پئے مصاف   پیچھے ہٹے تھے آپ بھی تقصیر ہو معاف
لاکھوں سے جو لڑا، یہ خلف اس ولی کا ہے
لڑکا نہ جاننا کہ یہ پوتا علیؑ کا ہے

بولا شقی کہ طفل سے لڑنا ہے مجھ کو ننگ   پر خیر یہ پسر ہیں مرے چار دن خانہ جنگ
ہیبت میں شیر نر ہیں تو قوت میں ہیں نہنگ   یہ جا کے اس کو قتل کر آئیں گے بے درنگ
ذلت بڑی ہے جنگ کو جانا ادھر مرا
کافی اسے ہے ایک یہ چھوٹا پسر مرا

یہ سن کے اس طرف سے بڑھا ایک ناخلف   بھالا شقی کے ہاتھ میں سر تیز منھ میں کف
برہم ہوا ادھر پسر ضیغم نجف   نیزہ بلند کر کے بڑھا جلد اس طرف
وقفہ نہ خیرہ سر کو دیا ایک وار کا
بھالے سے حلق چھید لیا نابکار کا

قہر و غضب کا وار ستمگر پہ چل گیا　　نیزہ قفا کو توڑ کے باہر نکل گیا
اونچا کیا فرس سے تو موذی کا بل گیا　　جھٹکا دیا تو زیست کا نقشہ بدل گیا
نخوت لعین کی خاک میں سب مل کے رہ گئی
پٹکا جو زور سے تو زمیں ہل کے رہ گئی

بھائی کے غم میں اس سے بڑھا دوسرا لعیں　　دہنے میں تیغ تیز علم، بائیں میں سپر
بل کھا کے آگیا جو وہ موذی قریب تر　　یہ بھی بڑھے مثال علی تیغ کھینچ کر
کچھ بن پڑا نہ اس ایل خود سر سے حرب میں
پہونچے سے ہاتھ کاٹ دیا ایک ضرب میں

کیا ہتکنی تھی واہ، زہے زور بازو　　پھر نوک نیزہ رکھ کے جفا جو کے صدر پر
ریلا تو پھر فرس پہ نہ ٹھہرا وہ خیرہ سر　　زیں سے گرا زمیں پہ سرد آہ کھینچ کر
آفت اک اور آئی تن بد معاش پر
دوڑا دیا سمند کو ظالم کی لاش پر

پھر تیسرا شریر بڑھا مثل پیل مست　　تھا دونوں بھائیوں سے یہ چابک اور زبردست
آیا اسد کے سامنے جب وہ شکم پرست　　نعرہ کیا کہ ہوگئی جرأت شقی کی پست
جھپکی جو آنکھ رعب نگاہ دلیر سے
چار آنکھ پھر نہ کر سکا حیدرؑ کے شیر سے

آخر وہ رشک سام بڑھا کھینچ کر حسام　　آیا ادھر جلال میں شبیرؑ کا لالہ فام
جوہر بہادری کے تھے منجی ہوئی دکھا چکا تمام　　لیکن کیا نہ ایک بھی حربے نے اس کے کام
جب انکی تیغ چلتی تھی خالی نہ جاتی تھی
بازو و دست و صدر کو زخمی کر آتی تھی

سر پر ہوا نہ تیغ سے جب وہ جفا شعار — پھینکی اُدھر شقی نے کمندِ گلو فشار
جلدی بڑھا کے آپ نے شمشیرِ آبدار — دم بھر میں قطع کر دیے حلقوں کے تار تار
اقبال ان کا اُس پہ اُدھر ہنس کے رہ گیا
دامِ کمندِ فکر میں خود پھنس کے رہ گیا

روبہ خصال تھا وہ جفا کار و نابکار — دہشت سے دہنے بائیں نکتا تھا بار بار
تھا گھات میں اُدھر خلفِ شیرِ کردگار — زد پر جو آ گیا تو اُٹھی تیغِ شعلہ بار
سن سے چلی تو خرمنِ ستمگار جاٹ کے
اک برق سی نکل گئی سر تن سے کاٹ کے

چوتھے کو لائی کھینچ کے پھر اس طرف اجل — لب پر درشت و سخت سخن ابرو نیہ بل
تیغِ دودم اٹھا کے جو بڑھنے لگا وہ پل — قاسمؑ نے دی صدا کہ خبردار ہو سنبھل
لاشوں کا کس کے ڈھیر ہے یہ رُک کے دیکھ لے
مُردوں کو بھائیوں کے ذرا جھک کے دیکھ لے

کیا جانتا نہیں کہ علیؑ کے پسر ہیں ہم — جرّار و نامدار کے لختِ جگر ہیں ہم
لڑنے میں ہوشیار ہیں کب بے خبر ہیں ہم — ہنگامِ جنگ مالکِ فتح و ظفر ہیں ہم
مغلوب ہوتے ہیں وہی جو بد خصال ہیں
غالب ہوئے کہ ہم اسد اللہ کے لال ہیں

گھوڑا بڑھا کے متصل آیا وہ بدگہر — ردّ و بدل ہوئی دمِ ہیجا کہ الحذر
جھجکا تھا وہ کہ بائیں پہ قاسمؑ نے آن کر — ترچھی لگائی تیغ کہ دو ہو گئی کمر
گھوڑے سے گرتے گرتے بس اک وار پھر پڑا
چوتھا پسر بھی خاک پہ دو ہو کے گر پڑا

ازرق کے دل سے چار اُٹھے شعلہ ہائے غم — نزدیک تھا فرس سے گرے بانیِ ستم
سینے سے کھینچنے لگا سرد آہ دمبدم — گہہ اس طرف جھکا کبھی اُس رُخ ہوا وہ خم
غرّہ جو کچھ دماغ میں تھا دُور ہو گیا
مٹی سے رنگ چہرۂ مغرور ہو گیا

ازرق سے بڑھ کے تب پسر سعد نے کہا — کیوں میں نہ کہتا تھا کہ وہ ہے ابن مرتضیٰ
کافی ہوا نہ کچھ اُسے چھوٹا پسر ترا — بتلا کہ اب ذلیل ہوا یا نہیں ہوا
سیداں کو صید گاہ بنایا دلیر نے
دیکھا شکار کر لیا چاروں کو شیر نے

پاس آ کے بولا شمر کہ اب کیا ارادہ ہے — تیغ و سپر لیے وہ جری ایستادہ ہے
یاں مضطرب ہر ایک سوار اور پیادہ ہے — لشکر میں اُس کے خوف سے ہلچل زیادہ ہے
چاروں پسر تو موت کے پنجے میں جا پڑے
ڈر ہے کہ مثل شیر ادھر پھر نہ آ پڑے

جھنجھلا کے ابن سعد سے بولا وہ پُر غرور — اُس کو ڈرا رہا ہے جو ہے معرکہ میں شور
ابن حسنؑ کے قتل کو جاؤں گا میں ضرور — کر دوں گا ایک آن میں زخموں سے چور چور
دشوار نہ ہو گا جانے میں سر لے کے آؤں گا
آتش جگر کی اُس کے لہو سے بجھاؤں گا

یہ کہہ کے پھر نہ ضبط ہوا اُس لعین سے — بھالا بڑھا کے ہاتھ اُکھاڑا زمین سے
فولاد کا تبر بھی لیا جھک کے زین سے — قطرے عرق کے غیظ میں ٹپکے جبین سے
قربوس زیں پہ گرز گراں دست رکھ لیا
گُرز و بڑی سپر کا پس پشت رکھ لیا

مغفر درست کر کے رکھی دوش پر کماں — ترکش کے تیر دیکھ لیے کھول کر دہاں
دستانے ساعدوں پہ چڑھائے بے اماں — پٹکے میں مثلِ شمر رکھا خنجر گراں
سوچا وہاں چلا ہوں وہ غازی ہے جس طرف
اک تیغ اُدھر نیام میں رکھی اک اس طرف

چنگھاڑ کر بصورتِ پیلِ دماں بڑھا! — اژدر کی طرح غیظ میں کھولے دہاں بڑھا
بھالے کی ڈانڈ اٹھائے ہوئے بدزباں بڑھا — گھوڑے پہ وہ کہ کوہ پہ کوہِ گراں بڑھا
شکل اس شقی کی دیو کی صورت دکھاتی تھی
لنگر سے جابجا کی زمیں دبتی جاتی تھی

بڑھتے ہی اُس کے بجنے لگے کوس و طبل و دف — قرنا و بوق کی گئی آواز ہر طرف!
کچھ پیچھے ڈرتے ڈرتے بڑھی مرکبوں کی صف — یاں با حواس تھا اسد اللہ کا خلف
غل تھا یہ جنگ سامنے مقتل کے دیکھ لو
کس کی ظفر ہو آؤ ذرا چل کے دیکھ لو

ہاں ساقیا شرابِ ظفر جلد لا، پلا — صہبائے خوش گوار و مسرت فزا، پلا
پر زور و تیز و تند پلا، پر صفا، پلا — عادی زیادہ پینے کا ہوں میں بھرا پلا
شیشے پہ شیشہ ہاتھ میں ہاں لے کے دیکھ لے
کاسے پہ کاسہ آج مجھے دے کے دیکھ لے

وہ وہ کہ جو زیادہ کنِ عقل و ہوش ہے — ہنگامہ اب گرم دمِ نوشا نوش ہے
مستِ شرابِ کفر وہ ایماں فروش ہے — اس فتح کی رقم کا مرے دل کو جوش ہے
پھیلی سرزمیں پہ خونِ تنِ نحس سے بہے
ٹوٹے ہوئے سر ایسے حباب کی طرح سے بہے

آیا گرج کے رعد صفت سامنے وہ یل بولی ظفر کہ جلد نکل جائے گا یہ بل
قاسمؑ پکارے آ تری مشتاق ہے اجل بیٹوں کے لاشے دیکھ پڑے ہیں وہ منہ کے بل
جلدی ہے جدال نہ کیوں تند خو سنے کی
ہم کب سے منتظر تھے بڑی دیر تو نے کی

لاشے اٹھانے آیا ہے یا قصد جنگ ہے گر قصد جنگ ہے تو تجھا کیا درنگ ہے
بودوں سے گو کہ جنگ دلیروں کا ننگ ہے پر خیر بڑھ کہ جنگ کی ہم کو اُمنگ ہے
برچھی سے لڑ کے دیکھ، لگا کر خدنگ دیکھ
تو بھی ہماری جنگ کا اب رنگ ڈھنگ دیکھ

تیور بدل کے کہنے لگا تب وہ خود پسند میں زور و ضرب میں ہوں تہمتن سے چار چند
قوت وہ ہے کہ دیو کو مٹھی میں کر لوں بند مریخ تھرتھرائے جو نیزہ کروں بلند
یہ جنگ فتح کر کے بس اب یاں سے جاؤں گا
جب تم کو ماروں گا تو لاشے اٹھاؤں گا

بیتاب کر رہی ہے مجھے صرصر ملال! کاٹے ہیں تو نے چار مرے نخل کے نہال
فرمایا تجھ کو خار ہوا کیوں جفا خصال ناقص درخت کا یہی آخر کو ہے مآل
اٹھی یہ تیغ خوں رگ و ریشہ کا چاٹ کے
نخل زبوں تھے پھینک دیے ہم نے کاٹ کے

تیری بہارِ عمر بھی ہوتی ہے اب خزاں جڑ کاٹتی ہے کفر کی یہ تیغ بے اماں
تیرا نہال قد بھی قلم ہوگا بے گماں باغی ہمارے ہاتھ سے جاتا ہے اب کہاں
پھل دے گی کچھ نہ زندگی بے ثبات بھی
کردیں گے قطع ہم ترا نخل حیات بھی

بولا شقی کہ قہر مری تیغ کا ہے پھل — فرمایا توڑ دیں گے اسے ہم دم جدل
بولا وہ ہے یہ شاخ کماں حلقۂ اجل — فرمایا اس تبر سے چھٹے گی یہ بر محل
بولا وہ چوب نیزہ بھی یہ بے مثال ہے
فرمایا نے کا کاٹنا کیا کچھ محال ہے

یہ سن کے آگیا وہ ستمگر قریب تر — تن کر بڑھا ادھر سے ید اللہ کا پسر
برچھوں کی جنگ چھڑ گئی پہلے بہ یک دگر — لڑنے لگیں جو اٹھ کے سنانیں اڑے شرر
کچھ کام اُدھر نہ کرتی تھی اُس بے حیا کی طعن
تھی ان کی طعن نیزۂ مشکل کشا کی طعن

باندھا جب اُس نے بند بڑھے اس کو کھول کے — پیچھے کبھی ہٹا دیا سرکش کو رول کے
جب وہ بڑھا اُدھر سے بڑا بول بول کے — منہ پر سناں کو رکھ دیا بھالے کو تول کے
جب دے سکا نہ ان کا وہ پیاں شکن جواب!
فرمایا آپ نے یہ ہے دنداں شکن جواب

کیا بولتا کہ بول سب ان کے تھے لاجواب — دہشت سے بات کرنے کی باقی رہی نہ تاب
گھوڑے کو جب بڑھاتا تھا وہ خانماں خراب — قدموں سے بے حیا کے نکل جاتی تھی رکاب
چوٹیں جو کھا رہا تھا شقی بند بند پر
دشوار ہو گیا تھا سنبھلنا سمند پر

عاجز ہوا وہ جب تو اٹھا رن سے غلغلا — قاسمؑ پکارے پھر کمک شمر کو بُلا
اس معرکے میں تو تو لڑائی پہ ہے تُلا — وقت وغا فرس کا ترے تنگ ہے کھُلا
غافل ابھی نہ تیغ دم گیر و دار اُٹھا
ہاں تنگ چُست کر لے تو پھر راہوار اُٹھا

زخمی پڑا جو اپنی زیست سے تھا تنگ آ گیا — بولی اجل کہ وقت اخیر اس کا آ گیا
خم ہو کے سوئے تنگ فرس دیکھنے لگا — جھکنا تھا بس کہ سر سے چلی تیغ جانگزا
اٹھنا نصیب پھر نہ ہوا کارزار میں
سرکش وہ نیم ہو کے گرا ایک وار میں

پھر جدال رن میں بڑھا پھر حسنؑ کا لال — پھر حملہ ور ہوا صفت شیر ذوالجلال
پھر تیس پہلوانوں کو مارا بہ صد جدال — ایسا لڑے کہ ہو گیا میداں لہو سے لال
پسپا کیا صفوں کو جدھر آئے شیر سے
پھر فوج بھاگنے لگی رعب و نہیب سے

گھبرا کے ابن سعد سوئے میمنہ گیا — ایک اک کو ہاتھ اٹھا کے شقی روکنے لگا
اور میسرہ سے یہ بھاگ کے پیدل کی تھی صدا — گھوڑے ادھر بڑھاؤ سوارو یہ دیکھ کیا
منہ جن کے اس طرف ہیں وہ اس سمت پھیر لیں
سب نیزہ دار اس کو سنانوں میں گھیر لیں

واحسرتا یہ ایک ادھر کثرت سپاہ — پیاسے یہ تین دن کے وہ سیراب روسیاہ
چاروں طرف سے آ گئے نزدیک کینہ خواہ — خاروں میں گھر گیا گل باغ رسولؐ آہ
تیغوں کے پھل بھی چل گئے نیزے بھی چل گئے
سینے کو توڑ کر کئی ناوک نکل گئے

دھاریں لہو کی چھوٹنے لگیں تن سے ہے غضب — مشکل امان ہے لشکر دشمن سے ہے غضب
کس طرح نکلیں حلقۂ آہن سے ہے غضب — گرتے ہیں کوئی آئیں تو سن سے ہے غضب
غش سا آ رہا ہے تاب و تواں تن سے دور ہے
زخموں سے خوں رواں ہے بدن چور چور ہے

جھکتے ہیں گاہ زیں سے اِدھر گاہ اُس طرف
پیاسے کے قتل کو بڑھی آتی ہے صف پہ صف
بے حال ہے نبیرۂ شاہنشہِ نجف
ہوتی ہے دولتِ حسنؑ مجتبیٰ تلف
چھوٹی ہے باگ ہاتھ سے اب اِس جناب کے
نکلے ہیں زخمی پاؤں سے حلقے رکاب کے

لو خاک پر گرا جگر و جانِ مرتضیٰؑ
لو فوجِ شام کو نہ میں طبلِ ظفر بجا
تڑپا زمینِ گرم پہ شبیرؑ کا مہ لقا
واقاسما کی چرخ سے آنے لگی صدا!
خیر النسا بدیدۂ تر پیٹنے لگیں!
غرفوں سے حوریں دیکھ کے سر پیٹنے لگیں

قاسمؑ نے دی صدا کہ علی اکبرؑ اب آئیے
چھوٹے چچا شہید کا لاشہ اُٹھائیے
کہیے امامِ دیں سے کہ تشریف لائیے
سر کاٹنے پہ ہیں ستم آرا بچائیے
گھوڑے سے گر کے ہم ہیں زمیں پر پڑے ہوئے
تلواریں کھینچے گرد ہیں قاتل کھڑے ہوئے

دوڑے اِدھر سے اکبرؑ و عباسؑ نامدار
گھبرا کے ننگے پاؤں بڑھے شاہِ ذی وقار
نعرہ کیا جو اکبرِ غازی نے ایک بار
بھاگے اُدھر پلٹ کے سوارانِ نیزہ کار
ٹاپوں سے ٹکڑے ٹکڑے خوش اقبال ہو گیا
لاشہ حسنؑ کے لال کا پامال ہو گیا

پہنچے تو چور چور تنِ ناتواں ملا
ریتی پہ استخواں سے جدا استخواں ملا
آلودہ خاک و خوں میں وہ تشنہ دہاں ملا
پھوپھیوں کی منتوں کا پلا نیم جاں ملا
دیکھا کہ عضو عضو بدن سے کٹا ہوا!!
نکلا ہے پسلیوں سے کلیجہ پھٹا ہوا

رُخ زرد ہے نہیں حرکت جسمِ زار میں — لعلوں کے ہیں نشاں بدنِ زخم دار میں
زخمی ہیں ہاتھ پاؤں نہیں اختیار میں — لب پر چچا چچا ہے مگر احتضار میں
تیغ و تبر کے خط ہیں جبیں پر پڑے ہوئے
دو چار تیر بھی ہیں گلے میں گڑے ہوئے

لاشے کے پاس آکے پکارے امامِ دیں — صدقے ترے یہ بیکس و مظلوم و دل حزیں
گھوڑوں سے پائمال ہوا جسمِ نازنیں — دنیا سے کوچ کرتے ہوئے میرے مہ جبیں
اب ہم ہیں اور ہے غم و رنج و بلا کا ساتھ
غربت میں ہائے چھوڑ چلے تم چچا کا ساتھ

ہونٹوں پہ دم تھا شہ سے نہ کچھ کر سکے کلام — آنکھیں پھرا کے پاس سے دیکھا رُخِ امام
واحسرتا اجل نے کیا آکے اپنا کام — تیرہ برس کی عمر میں آخر ہوئے تمام
دولت حسنؑ کی لُٹ گئی قاسمؑ گزر گئے
آگے چچا کے ہچکیاں لے لے کے مر گئے

میت اُٹھا کے گنجِ شہیداں میں لائے شاہ — حضرت کا حال غم میں بھتیجے کے تھا تباہ
جس جا پڑے تھے خاک پہ زینب کے رشکِ ماہ — لاشہ وہیں لٹا دیا شہ نے بہ اشک و آہ
مرنا پسر کا سنتے ہی دل کو نہ کل پڑی
ماں گھر سے پیٹتی ہوئی باہر نکل پڑی

ہاں عاشقانِ شبّر و شبیر و مرتضیٰ — ماتم کی یہ گھڑی ہے یہی ساعتِ بکا
اس بزمِ غم میں لائے ہیں تشریف مصطفیٰ — لازم ہے کچھ تو حقِ محبت کرو ادا
آہ و بکا میں ساتھ رسولِ خدا کا دو
پرسا حسنؑ کو قاسمِ گلگوں قبا کا دو

۷۸۶

تیسرا مرثیہ

در حال حضرت عباس علیہ السلام

(بند ۱۰۷)

طبعِ روشن سے مری شمعِ شبستانِ سخن　　حسنِ بندش سے نمودار ہے لمعانِ سخن
نظم ہے دُرِ گراں مایۂ عمّانِ سخن　　ہے زباں بلبلِ خوش لہجہ بستانِ سخن
سحر و شام عجب سیر کیا کرتا ہوں
مثلِ قمری اسی گلزار کا دم بھرتا ہوں

طالبِ کعبۂ قربِ احدی ہوئے دل　　سالکِ مسلکِ دینِ صمدی ہوئے دل
تابعِ منہجِ لطفِ ابدی ہوئے دل　　تارکِ سرکشی و عُجب و خودی ہوئے دل
صاف باطن ہو تو اس کو مددِ غیب سمجھ
ہستیِ نفس و ہنر جان کبھی عیب سمجھ

صاف و شفاف و مصفّا دلِ بے کینہ رہے　　کم نہ ذرہ ہو وہی اُلفتِ دیرینہ رہے
آگے ہر دوست کے اس طرح صفا سینہ رہے　　جس طرح سامنے آئینے کے آئینہ رہے
صاف وہ ہے تو صفا یہ وہیں دکھلائے گا
اُس میں جو ہے وہی اِس میں بھی نظر آئے گا

جھک کے ادنیٰ سے ملے چاہیئے اعلیٰ کے لیے کبر زیبا ہے فقط خالقِ یکتا کے لیے
حق کو دیکھے یہ سزاوار ہے بینا کے لیے کہ فنا آپ نہ اک روز ہے دنیا کے لیے
قلب میں نور رہے بدر کے پرتو کی طرح
اوج بھی پائے تو جھک جائے مہِ نو کی طرح

اسی جھکنے سے مہ نو ہوا ماہِ کامل مہر کو ہوتی ہے پستی سے بلندی حاصل
سرکشی کرنے سے ہوتا ہے بشر آپ خجل قولِ معروف سے گرویدہ کرے دوست کا دل
بد ہے وہ بات کہ انسان بھلا بھی نہ کہے
کوئی اچھا نہ کہے گر تو برا بھی نہ کہے

جو ہیں بینا وہ الگ رہتے ہیں خودبینوں سے بات بٹ جاتی ہے ملنے میں سخن چینوں سے
شاد ہونا کبھی لوگوں کی نہ تحسینوں سے حفظِ آئینہ دل کر انھیں آئینوں سے
ہاں ہم اچھے ہیں کبھی یہ نہ تصور کرنا
تیشۂ نخلِ ترقی ہے تکبر کرنا

رنگ دنیائے دنی کے بھی عجائب دیکھے جو نہ کانوں سے سنے تھے وہ غرائب دیکھے
کل جو حاضر تھے وہ آج آنکھ سے غائب دیکھے گر خوشی ایک تو سو رنج و مصائب دیکھے
غم کو ظاہر تو مسرت کو نہفتہ پایا
کسی محفل کو بھی جا کر نہ شگفتہ پایا

دوست کی دوست زمانے میں خبر رکھتے ہیں دل محبت کا تو الفت کی نظر رکھتے ہیں
ہاں خیالِ غربا صاحبِ زر رکھتے ہیں فیض انھیں سے ہے جو اشجار ثمر رکھتے ہیں
جو دنی ہیں کفِ افسوس کو ملتے ہیں وہی
جن میں ہے بوئے سخا پھولتے پھلتے ہیں وہی

ہے یہ رسمِ اہلِ مروت میں ازل سے جاری — اپنے مہماں کی بدل کرتے ہیں مہماں داری
برکت دیتا ہے اس گھر میں جنابِ باری — حالِ شبیر پہ ہے جائے بکاؤ زاری
ذکر کیا کھانے کا اک بوند نہ دی پانی کی
کوفیوں نے شہ بیکس کی یہ مہمانی کی

کیا ستم امتِ احمدؐ نے کیا ہائے غضب — نہر کو اپنے لیے گھیر لیا ہائے غضب
خود پیا، جانوروں تک نے پیا ہائے غضب — فوج سادات کو قطرہ نہ دیا ہائے غضب
ابرِ غم واسطے پیاسوں کے برستا اُٹھا
جو اُٹھا خلق سے پانی کو ترستا اُٹھا

فصل وہ گرمیوں کی اور وہ کڑی تیزیٔ عطش — عوضِ آب برستی تھی فلک سے آتش
جاں بلب پیاس سے معصوم کوئی تھا کوئی غش — منھ سُکھو جو لب پہ دھرے روتے تھے شہ کے مہوش
دل بھڑکتے تھے تو اشک آنکھوں میں بھر لاتے تھے
خالی ساغر لیے خیمے سے نکل آتے تھے

شور کرتے تھے کہ اب سینوں میں جلتے ہیں جگر — کوئی بتلائے ہمیں راہ کہ دریا ہے کدھر
دم لبوں پر ہیں لب خشک کریں پانی سے تر — مشک اک چھوٹی سی بھر لائیں گے ہم خود جا کر
کب سے اطفالِ شہنشاہِ اُمم پیاسے ہیں
آؤ یا ساقیٔ تسنیم کہ ہم پیاسے ہیں

سُن کے یہ ہو گئے بیتاب علمدارِ امام — عرض کی شہ سے کہ اب جاتا ہے دریا پہ غلام
سب نکل آئے ہیں خیمہ سے علیؑ کے گلفام — دیکھیے در پہ کھڑے روتے ہیں خالی لیے جام
کس سے کہیے کہ صغیروں پہ ترس کھائے کوئی
خوف ہے پیاس سے معصوم نہ مر جائے کوئی

نہر پر تیغ بکف جاؤں تو چین آئے مجھے — فوج اعدا کو بھگا آؤں تو چین آئے مجھے
تن پہ شمشیر و سناں کھاؤں تو چین آئے مجھے — مشک بچوں کی جو بھر لاؤں تو چین آئے مجھے
حب طلب کرتے ہیں یہ یوسف ثانی پانی!
یا شہ دیں میں ہوا جاتا ہوں پانی پانی

اب کسی طرح مرے دل کو نہیں صبر کی تاب — آتش غم سے کلیجا ہوا جاتا ہے کباب
گلشن فاطمہ زہرا کے ہیں غنچے بے آب — پوچھیں گے ساقی کوثر تو میں کیا دوں گا جواب
پیاسی اولاد رہی فاطمہ کے جانی کی
آل احمد کے لیے فکر نہ کی پانی کی

رو کے شبیر نے فرمایا کہ جاؤ بھائی — ہاں مناسب تو ہے داغ اپنا دکھاؤ بھائی
بھائی کے دکھتے ہوئے دل کو نہ دکھاؤ بھائی — اپنی فرقت میں سکینہ کو رلاؤ بھائی
مشک بھر کر لب جو خوں میں نہانا ہوگا
ہاتھ کٹ جائیں گے پانی کا بہانا ہوگا

خانۂ شیر خدا لٹنے کے ساماں ہیں یہ سب — خیر کچھ زور ہمارا نہیں جو مرضی رب
تم کو منظور ہے مرنا یہی ثابت ہوا اب — نام بچوں کا ہے دریردہ ہے رخصت کی طلب
ساتھ چھوڑے یہ طریقہ نہیں شیدائی کا
کچھ تمھیں دھیان ہے بھائی کی بھی تنہائی کا

عرض کی سن کے یہ کیا کہتے ہیں ارشاد امام — میرے شہزادے ہیں فرزند شہنشاہ انام
آپ کے ایسے بچوں پہ تصدق یہ غلام — فخر میرا ہے یہی ہے کوئی خادم سے جو کام
قتل ہوں دلبر محبوب خدا کے آگے
سرخرو جاؤں رسول دوسرا کے آگے

سُن کے یہ بھائی سے چُپ ہو گئے شاہِ مظلوم پائی رخصت تو بھرے گھر وا امامِ مغموم
آئے در پر تو ہوئی اور سوا رونے کی دھوم دوڑ کر دامنِ عباسؑ سے لپٹے معصوم
اشک بہ بہ کے گریبان تلک آنے لگے
ہونٹ سوکھے ہوئے مُنھ کھول کے دکھلانے لگے

کوئی کہتا تھا کہ اے بازوئے سلطانِ انام بہرِ حق نہر سے بھر کر ہمیں لا دیجئے جام
کوئی کہتا تھا کہ ہم سوزِ عطش سے ہیں تمام کوئی کہتا تھا کہ خیمہ میں نہیں پانی کا نام
حال یہ دیکھ کے مُنھ آنسوؤں سے دھونے لگے
دل پہ صدمہ ہوا عباس علیؑ رونے لگے

گھر میں بہلاتے ہوئے بچوں کو عباسؑ گئے سب سے ملنے کو بصد رنج و غم و یاس گئے
ہاتھ پکڑے ہوئے سب طفل چپ و راس گئے پہلے بنتِ پسرِ فاطمہؑ کے پاس گئے
دیکھا حضرت کی بہن اشکوں سے منھ دھوتی ہیں
گود میں بالی سکینہ کو لیے روتی ہیں

وہ یہ کہتی ہے بابا دو مرے عمو ہیں کہاں اب تو بے آبی سے پہونچی ہے لبوں پر مری جاں
جب گزر جاؤنگی دنیا سے تو آئینگے یہاں رو کے زینب نے یہ فرمایا میں تم پر قرباں
حال تغیر ہے لب پھول سے مرجھائے ہیں
مُڑ کے دیکھو تو کہ بی بی کے چچا آئے ہیں

ہاتھ پھیلا کے یہ تب بالی سکینہ نے کہا خوب لی تم نے بھتیجی کی خبر واہ چچا!
بولے عباسؑ کہ سو جان سے میں تم پہ فدا مشکل آساں ہوئی اب کچھ نہیں تشویش کی جا
لبِ جو لاکھوں سے لڑتا ہوا جاتا ہوں میں
بھر کے مشکیزہ خدا چاہے تو لاتا ہوں میں

بھائی سے حضرت زینب نے یہ گھبرا کے کہا — کیا تمہیں بھی شہ مظلوم نے دی ہے رضا
لو قیامت ہوئی تنہا ہوئے شاہ دوسرا — زندگی کا تھا مزا جس سے وہ ہوتا ہے جدا
سرور بیکس و دلگیر نہیں جینے کے
اب نہیں جینے کے شبیرؑ نہیں جینے کے

بولے عباسؑ کہ اے دختر ضرغام صمد — اس مصیبت میں نہ گھبراؤ کرو آقا کی مدد
دشت آفت سے بڑھے آتے ہیں سب اہل حسد — ایسا شرمندہ ہوں زہراؑ سے کہ جسکی نہیں حد
دیکھی لاش آج ہر اک ماہ لقا کی میں نے
جان ابتک نہ شہ دیں پہ فدا کی میں نے

کہہ کے یہ آپ نے گودی میں بھتیجی کو لیا — ہونٹ سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ ملے پیار کیا
اور یہ فرما کے پھر آغوش میں زینب کی دیا — میری شہزادی نے پانی نہیں دو دن سے پیا
مشک بھرنے کے لیے نہر پہ جب جاؤں میں
تم دعا مانگو کہ اعدا پہ ظفر پاؤں میں

سب سے رخصت ہوئے خیمہ میں علمدار امام — مشک لے کر جو چلے پڑ گیا گھر میں کہرام
دیکھا زوجہ کو کہ بیتاب ہے وہ نیک انجام — مڑ کے فرمایا نہیں گریہ و زاری کا مقام
رہیو ہر رنج میں تم صابر و شاکر صاحب
ہم تو جاتے ہیں خدا حافظ و ناصر صاحب

میرے ماتم میں ابھی سے ہے یہ فریاد و بکا — تم کرو شکر کہ ہم ہوتے ہیں آقا پہ فدا
اپنی شہزادیوں کے پاس سے ہونا نہ جدا — میرے بچوں سے خبردار مصیبت میں فدا
ابھی کم سن ہیں یہ غم دل پہ لیے جاتا ہوں
ان کو عابدؑ کی غلامی میں دیے جاتا ہوں

سر کو نہوڑا کے یہ بولی وہ غریب ناچار — آپ کے حکم سے باہر نہیں یہ سینہ فگار
رانڈ میں ہونگی یتیم آپ کے ہونگے دلدار — منع رونے کو نہ کیجیے کہ نہیں دل کو قرار
گریہ کس طرح نہ صاحب صفتِ ابر کروں
جائے انصاف ہے قتل آپ ہوں میں صبر کروں

رو کے فرمایا کہ اب دل پہ ذرا جبر کرو — ہم سے الفت ہے اگر تم کو تو آہیں نہ بھرو
ہاتھ شفقت کا سروں پر مرے بچوں کے دھرو — نہ تباہی سے نہ اندوہ و مصیبت سے ڈرو
جو گزرتا ہے وہ پھر نہیں آتا صاحب
غم میں شوہر کے کوئی مر نہیں جاتا صاحب

بیوہ ہونے کا عبث غم ہے کہ وارث ہے اللہ — تم کرو فاطمہ کبریٰ کے رنڈاپے پہ نگاہ
رو و اس پر کہ مصیبت میں ہے کونین کا شاہ — آج گھر ہوتا ہے خاتونِ قیامت کا تباہ
اب نہ یاور نہ جگر بندِ علیؑ باقی ہیں
ایک شہزادوں میں ہمشکل نبیؐ باقی ہیں

کہہ کے یہ بیٹوں کو چھاتی سے لگایا کئی بار — روئے دونوں جو وہ بچے نہ رہا دل کو قرار
آئے دروازۂ دولت پہ لگائے ہتھیار — بن گئی ساری زمیں حسن سے نور الانوار
در سے لے کر جو نشانِ شہِ ذی شاں نکلے
غل تھا اک برج سے دو نیرِ تاباں نکلے

دور کا بہ فرسِ شیر حجازی آیا — مثل دُلدل نئے انداز سے تازی آیا
بہرِ تسلیم قریں شہ کے نمازی آیا — جوڑ کر دستِ ادب سامنے غازی آیا
عرض کی دل کو ہے ارمان فدا ہونے کا
اب مجھے حکم ہو قدموں سے جدا ہونے کا

روکے شبیر بولے کہ قابو میں نہیں ہے دلِ زار
ہائے کس منہ سے کہوں میں کہ ہو گھوڑے پہ سوار
آؤ ان شانوں کے بوسے تو میں لے لوں اک بار
جسم سے جان چلی اب ہے سنبھلنا دشوار
خاک پر گرتے ہیں دم سینے میں گھبراتا ہے
جلد تھامو علی اکبر ہمیں غش آتا ہے

روئے عباسِ علی سن کے یہ پُر درد کلام
گرد آقا کے پھرے اور کیا جھک کے سلام
خاک پر بیٹھ گئے ہائے اخی کہہ کے امام
جلوہ فرما ہوا شبدیز پہ وہ نیک انجام
تختۂ نور ادھر غرب ادھر شرق بنا
باگ تھامی فرس گرم عناں برق بنا

دوش پر تیغ بہادر نے رکھی مثلِ علیؑ
رخش جانباز اُڑا فتح و ظفر ساتھ چلی
سطوت و رعب و جلالت سے یہ گویا تھا جلی
غزوہ ذات سلاسل پہ چلے حق کے ولی
غل تھا یہ ہیں وہ بشر جن کے ملک خادم ہیں
رخ سے روشن تھا کہ یہ ماہ بنی ہاشم ہیں

لڑنے لاکھوں سے چلے جرأتِ غازی دیکھو
حسنِ پیشانی و رخسار بنازی دیکھو
صولت و دبدبۂ شیر حجازی دیکھو
راہ میں دم نہ لیا تیزیِ تازی دیکھو
آئی ہمراہ فرس باد بہاری رن میں
سانس لی گھوڑے نے پہونچا کے سواری رن میں

لو بڑھا رن میں دل و جانِ شہنشاہ عرب!
لو کھلے بہر رجز صفدر و غازی کے لب
ایک نعرے میں زمیں کیا کہ فلک ہل گئے سب
مشک دی کھلا کے صدا دی یہ بصد غیظ و غضب
جو نہیں لاکھوں سے رکتا وہ دلیر آتا ہے
دور ہو جاؤ ترائی سے کہ شبیر آتا ہے

تول کر تیغ بڑھے گا جو ید اللہ کا لال   خود ٹھہرنا بھی ہو جائے گا دریا پہ محال
سامنے چشمہ ہے اور بیچ میں ہیں چند شغال   شیر کو دیکھ کے رم کرتے ہیں جنگل سے غزال
گر نہ بھاگو گے تو بچنے کا کوئی طور نہیں
ہم علیؑ کے ہیں جگر بند کوئی اور نہیں

کفر کا سر نہ اُٹھا اپنے قدم آئے جہاں   گڑ گیا دیں کا نشاں لے کے علم آئے جہاں
سب ہٹے تول کے شمشیر دو دم آئے جہاں   حل ہر اک امرِ اہم ہو گیا ہم آئے جہاں
دو دو دن رن میں نہ تیغ اور نہ سپر کھولی ہے
جب کھُلا ہے درِ نصرت تو کمر کھولی ہے

آنکھ وہ ہے کہ سماتا نہیں جس میں لشکر   ہاتھ وہ ہیں کہ جو عالم کو کریں زیر و زبر
سینہ وہ ہے کہ جو تعویذ نہیں ہے آفاق کی سپر   دل وہ مضبوط بنا ہے جو شجاعت کا ہے گھر
جنگ میں ہوتے ہیں سر سبز جدھر آتے ہیں
پاؤں مانند شجر کھیت میں جم جاتے ہیں

یوں رجز خواں ہوا جس دم خلفِ ضیغمِ رب   سر نگوں ہو گئے جتنے تھے فصیحانِ عرب
بڑھ کے آواز یہ دی شمر و بن سعد نے تب   گھاٹ پر جمع جگر دار و نمودار ہیں سب
ہے یہ کثرت کہ نظر واں نہیں جا سکتی ہے
نہر پر اب تو ہوا بھی نہیں آ سکتی ہے

جھیلنا فوج کے دریا کا بہت ہے دشوار   کہ جری گھاٹ پہ استادہ ہیں چالیس ہزار
کم نہیں سدِ سکندر سے پیادوں کی قطار   غرق آہن ہیں کنارے پہ سلحشور سوار
تیر آفت کے ہیں تیغوں کی غضب دھاریں ہیں
ابر ڈھالوں کا ہے اور برق کی تلواریں ہیں

غیظ میں آکے پکارا اسدِ حق کا پسر — ہم وہاں جاتے ہیں جس جا نہ ہوا کا ہو گزر
لب جو تیغوں کی موجیں ہیں تو کیا ہم کو خطر — ایک دو ہاتھ میں ہو جاتے ہیں پیراک اُدھر
جن کو مشکل ہے اماں جنگ میں ہم سے پانی
ہم وہ ہیں لائے ہیں جو بیرِ الم سے پانی

زور اپنا ہے عیاں غرب سے تا سرحدِ شرق — توڑ دیں سدِ سکندر کو بھی ہم اسمیں نہیں فرق
خوں میں ڈوبیں گے جو فولاد کے دریا میں ہیں غرق — سرد ہو جائے گی تلواروں کی خود آتشِ برق
زورِ لشکر کا ہو پانی وہ دلاور ہم ہیں
بحرِ آہن میں جو پیرے وہ شناور ہم ہیں

ہم سے ہونے کی نہیں عہدہ برآ فوج کبھی — ہو گا دوزخ میں رواں فرد کبھی زوج کبھی
کفر کا دھیان میں لاتے ہی نہیں اوج کبھی — خس و خاشاک سے رُکنے کی نہیں موج کبھی
حسرتیں دل میں دغا کرنے کی رہ جائیں گی
چوکیاں گھاٹ کی سب خون میں بہ جائیں گی

ہم محق اس کے ہیں تم کون ہوائے لشکرِ شام — مِلک ہیں فاطمہؑ کی چشمہ و دریا ہیں تمام
سب پہ ظاہر ہے کہ میں سبطِ نبیؐ کا ہوں غلام — دے چکے ہیں یہ جگہ مجھ کو شہِ عرش مقام
خاطریں کرتے ہیں ہر امر میں بھائی میری
نہر شبیرؑ کی ہے اور ترائی میری

آگے معبود کے زندہ ہے شہیدِ رہِ دیں — تا قیامت کبھی ہم سے نہ چھٹے گی یہ زمیں
قبر بھی اپنی لبِ نہر بنے گی تو یہیں — ہم اِدھر ہوں گے اُدھر بادشہِ عرش نشیں
شیر ہیں ہوں گے ظفریاب لڑائی میں ہمیں
چین سے سوئیں گے تا حشر ترائی میں ہمیں

کہہ کے یہ آپ بڑھے، واں سے بڑھی فوج کثیر   قدر انداز چلے توس میں جوڑے ہوئے تیر
طبل کا شور اٹھا گونج گئی سنے کی صفیر   بس علمدارِ دلاور نے علم کی شمشیر
طورِ اقبال و تہور سے تجلی نکلی
میان سے وہ کہ رگِ ابر سے بجلی نکلی

جاملا صف سے فرس تیغ علمدار چلی   سر اڑے تن سے ہوا موت کی یکبار چلی
دستِ غازی میں نئی قطع سے تلوار چلی   گاہ خونبار چلی گاہ شرربار چلی
آب و آتش تھی جو اُس میں تو نہ بس چلتا تھا
کوئی ٹھنڈا تھا زمیں پر تو کوئی جلتا تھا

پہلواں سارے لڑائی کا چلن بھول گئے   ناوک اندازیوں کو تیر فگن بھول گئے
توڑ ہر چوٹ کا سب عہد شکن بھول گئے   بھاگنا یاد رہا جنگ کے فن بھول گئے
کٹ گئے کھیت میں جو نخل حسد پھولے تھے
اپنی کثرت پہ غلط فہم بہت بھولے تھے

تھی نئی طرح کی ہل چل میں سپاہِ کفار   پیدل اسواروں میں بھاگ آئے پیادوں میں سوار
قدر اندازوں میں تھی برچھیوں والوں کی قطار   آتشِ تیغ کی دہشت سے نہ اک جا تھا قرار
بھاگنے میں کہیں اُٹھتے تھے کہیں گرتے تھے
سگِ پا سوختہ کی شکل پڑے پھرتے تھے

جنگ سے پائے صفِ لشکریں اُٹھنے لگے   خلق سے بے سروپا دشمنِ دیں اُٹھنے لگے
چار دیوار عناصر کے مکیں اُٹھنے لگے   آئی ضبطی کو اجل خانہ نشیں اُٹھنے لگے
تھے جو ناری تو رواں تیغ نے برزخ میں کیا
جسم سے نقلِ مکاں روح نے دوزخ میں کیا

جب بڑھی جان بچانا ہوا اعدا کو محال پھول مرجھا گئے سائے سے ہوئی ڈھال نڈھال
خون میں پیرتی تھی ماہیٔ دریا کی مثال آشنا تھی نہ کسی کی وہ مگر وقتِ جدال
زندگانی سے عداوت تھی خوشی فوت سے تھی
جان پہچان تھی یا فتح سے یا موت سے تھی

بے اتارے ہوئے سر اس نے ملاقات نہ کی منہ میں رکھتی تھی زباں اور کبھی بات نہ کی
کون سا اس نے کرشمہ نہ کیا گھات نہ کی نظرِ رحم کبھی جانبِ بدذات نہ کی
قتل بھی کر کے خلش دشمنِ دیں سے نہ گئی
وہ ترش رو کہ شکن اس کی جبیں سے نہ گئی

شور و غوغا سے نہ کثرت سے نہ بلوے سے ڈری وہی بیباکیاں اس کی تھیں وہی جلوہ گری
پاک صاف ایسی کہ دھار اس کی لہو سے نہ بھری سیکڑوں قتل کیے اور رہی خوں سے بری
صارمِ موت سے تیزی میں وہ دونی ٹھہری
پھر نہ مجرم، نہ کسی شرع میں خونی ٹھہری

جرأتِ بازوئے سرور ہے بیاں سے باہر اس طرف لڑتے تھے لیکن سوئے دریا تھی نظر
تیغ سے جب متفرق ہوا سارا لشکر جانبِ نہر بڑھا شیرِ الٰہی کا پسر
ہٹ گئی فوجِ شقی جان بچانے کے لیے
گھاٹ کی راہ کھلی شیر کے جانے کے لیے

لبِ جو جمع نگہبان تھے چالیس ہزار آگے اسوار تھے پیچھے تھی پیادوں کی قطار
تیغیں کھینچے ہوئے آمادہ کھڑے تھے غدار نیزے سیدھے کیے موجود تھے سب تجربہ کار
شور تھا بڑھ کے علمدارِ جواں کو روکو
آنے پائے نہ ادھر شیرِ ژیاں کو روکو

یاں جو آیا وہ بہادر تو قیامت ہوگی ہاتھ سے اس کے بیا نہر پہ آفت ہوگی
پسر سعد سے ہم سب کو خجالت ہوگی مشک بھر لی تو یہ صف غرق ندامت ہوگی
چھین لے پھر نہ کہیں نہر خبردار رہو
شیر پیاسا لب جو آتا ہے ہشیار رہو

سن کے یہ ایک جواں گھاٹ کے لشکر سے بڑھا غرق تھا لوہے کے دریا میں وہ مردود خدا
پہلوان رستم دستاں سے بھی قوت میں سوا اس کے پیچھے تھے کمک کو کئی سو اہل جفا
سب سے کہتا تھا کہ میں بہر دغا جاتا ہوں
سر عباس مع مشک و علم لاتا ہوں

مثل ابلیس ستم پیشہ و مکار و ذلیل اظلم و اکفر و بددین و دغا باز و بخیل!
تھا تن و توش میں سہراب نریماں کا عدیل سنگدل، عقل میں کمتر، قد و قامت میں طویل
شور تھا جا کے یہ لشکر کو اجاڑ آتا ہے
دبکے کہتی تھی زمیں بھی کہ پہاڑ آتا ہے

لشکر دیو کو دیوے نہ دم جنگ اماں ہاتھ میں گرز کئی من کا، کئی گز کی کماں
حلقۂ قوس خطا کار تھا اژدر کا دہاں تیر کے علم میں تھا ہمسر آرش وہ جواں
زہ کماں کرتا تھا جب شیر بھی ڈر جاتا تھا
تیر سو کوس کے پلّے سے گزر جاتا تھا

صفت مار سیہ نیزۂ سرتیز بلند جس میں پھنس کر نہ چھٹے دیو بھی وہ دام کمند
کوہ پیکر تھا رواں ظالم و جاہل کا سمند کرگدن سے بھی قوی گردن سرکش دہ چند
کوہ تھراتے تھے جب زور پہ آجاتا تھا
پشت پہ فیل کو جنگل سے اٹھا لاتا تھا

رنگ چہرے کا سیہ، ہونٹ کبود آنکھیں لال! 　 دل کو جن دیکھے تو پھر جان کا بچنا ہے محال
فتنہ جو فتنہ نشاں، فتنہ گرو، فتنہ سگال 　 شیر و تمساح کو سمجھے ہوئے روباہ و شغال
ٹکڑے ٹکڑے کرے پتھر کو نظر ایسی تھی
گر کے بجلی بھی اچٹ جائے سپر ایسی تھی

بڑھ کے عباس دلاور کو پکارا بد ذات 　 آ سکو گے نہ مرے سامنے تم تا بہ فرات
روکنا فوج کا آگے مرے ادنیٰ سی ہے بات 　 ادھر آؤ گے تو باقی نہیں رہنے کی حیات
دُہری تلواریں مرے پاس غضب کاٹ کی ہیں
پائے نامی ہیں یہ سب چوکیاں اس گھاٹ کی ہیں

زور دکھلاؤں میں اپنا جو دمِ غیظ و غضب 　 ریل دوں کوہ کو اور ہاتھ کو پہونچے نہ تعب
روم سے شام تلک مجھ سا دلاور نہیں اب 　 بھوت بن جاتا ہوں غصہ مجھے آجاتا ہے جب
فوجیں بھاگی ہیں قدم رکھا ہے جس جا میں نے
قافلے لوٹ لیے ہیں تنِ تنہا میں نے

سُن کے یہ غیظ میں آیا شہِ مرداں کا پسر 　 بڑھ کے نعرہ جو کیا ہل گیا خود سر کا جگر
تول کر تیغ شرر بار اُٹھائی جو سپر 　 اُن کا خوں گھٹ گیا جو گھاٹ پہ تھے بانیِ شر
نہ فقط ڈر کے عقب لشکرِ پُرشر ہٹی
سب ترائی کی زمیں سوکھ گئی نہر ہٹی

دی یہ آواز کہ ہم سے کوئی لڑ سکتا ہے 　 بس خموش اے ستم ایجاد یہ کیا بکتا ہے
تو نہ کر شیخی تجھے طاقت میں اگر یکتا ہے 　 یہی دعویٰ ہے تو بڑھ کیوں مرا منہ تکتا ہے
دشت اُلٹے جو دکھائیں اسد اللہ کا زور
دست و بازو میں ہمارے ہے ید اللہ کا زور

کانپے شیروں کے جگر ہم نہ لڑائی ہیں لڑے
جنگ خندق میں ہمیں تیغ لیے کود پڑے
موم فولاد ہو وہ ہاتھ ہمارے ہیں کڑے
ان کے سر کاٹے جو رستم سے بہادر تھے بڑے

زور بازو سے نشاں فتح کا گاڑا کس نے
باب خیبر کی خبر ہے کہ اکھاڑا کس نے

تجھ کو بہکا کے ادھر لایا ہے ابلیس لعیں
حق و باطل میں بڑا فرق ہے او دشمن دیں
کارگر ہم پہ ترا وار ہو ممکن یہ نہیں
شیر بڑھتا ہے خبردار سر کٹا نہ کہیں

موج تیغ آئی جو دریا کی روانی کی طرح
گھاٹ پر خوں ترا بہ جائے گا پانی کی طرح

سن کے یہ دوش سے لی ہاتھ میں خاطی نے کماں
تیر چلے سے ملایا ستم ایجاد نے واں!
ناوک آتا تھا کہ ترچھا ہوا یہ شیر ژیاں
باڑھ پہ تیغ کی روکا اسے غازی نے یہاں

تیر کی چوب ادھر ہوش لعیں کھو کے گری
تا بہ سوفار سری طول میں دو ہو کے گری

جب لعیں خاک پہ کٹ کٹ کے گرے سارے خدنگ
اڑ گیا چہرۂ منحوس خطا کار کا رنگ
دی جگہ گوشۂ حیدرؑ نے صدا کیوں سرہنگ
ہنر تیر میں استاد یہی تھا دم جنگ

دل سے اب آہ عبث بھرتا ہے سرکش خالی
اور کچھ تیر ہیں یا ہو گیا ترکش خالی

ہٹ کے چلایا ستمگر کوئی ناوک نہیں اب
بولے عباسؑ ترے عیب نہاں کھل گئے سب
علم تو خاک نہیں اس پہ یہ دعوی یہ غضب
اور حربہ کوئی لے حرب میں او دشمن رب

نہر پر ہم کو ہے جانا، دم تاخیر نہیں
دھری تلواریں تو ہیں پاس اگر تیر نہیں

سُن کے یہ پھر وہ بڑھا، چلنے لگے تیغوں کے وار   برق کا ڈھنگ دکھانے لگے دونوں رہوار
بڑھ کے مڑ جاتے تھے جب اشہب صرصر رفتار   ٹکڑے اُڑ جاتے تھے مقتل کی زمیں کے ہر بار
ایک بر ایک فرس غیظ سے مُنھ کھولتا تھا
ٹاپ کی آتی تھی آواز کہ رن بولتا تھا

ادھر اعجاز نما، شعبدہ پرداز ادھر   صادق اِس سمت، ہے کذاب فسوں ساز اُدھر
فخر آدم ادھر، ابلیس کا ہمراز اُدھر   ڈھنگ حیدر کا اِدھر، عمر کا انداز اُدھر
کوہ کے آگے پرِ کاہ کی قوت کیا ہے
مہر پھر مہر ہے ذرے کی حقیقت کیا ہے

کوئی بات اُس کو دمِ جنگ نہ بن آتی تھی   جب بہکتا تھا تو ابرو پہ شکن آتی تھی
زن سے تیغ ان کی جو نزدیک دہن آتی تھی   لبِ شمشیر سے آواز بزن آتی تھی
میں بھی کچھ کم نہیں، یہ بول کے رہ جاتا تھا
چوٹ جب پڑتی تھی مُنھ کھول کے رہ جاتا تھا

حملہ جب کرتا تھا فرزندِ شہِ قلعہ شکن   بید کی طرح جفاجو کا لرزتا تھا بدن
لب پہ لایا وہ شقی سب بے ادبانہ جو سخن   پھل تیغ کا بس پڑ گیا بالائے دہن
دیکھ کر فوجِ لعیں ہاتھ اُدھر ملتی تھی
کٹ گئی مُنھ میں جو قینچی سی زباں چلتی تھی

خوں کے گھونٹ جو پی کر وہ ستمگار بڑھا   دل بڑھانے کو ادھر لشکرِ کفار بڑھا
ہاتھ سرکش کا سوئے فرقِ علمدار بڑھا   وار رد کرکے ادھر سے بھی یہ جرار بڑھا
دست بازو سے تہ دیں جو پھرا تیغ کے ساتھ
ہاتھ ظالم کا جدا ہو کے گرا تیغ کے ساتھ

دست پاچہ تھا کہ پھر سن سے چلی تیغ دودم — ہاتھ بایاں بھی سرِ دست کیا تن سے قلم
تن کے فرمایا علمدار جری نے اس دم — اب ترا زور میں ہے کون سوا کون ہے کم
دیکھ حیرت میں ہیں جو لوگ ترے ساتھ ہیں یہ
کوہ کو ریتا تھا جن سے وہی ہاتھ ہیں یہ

کہہ کے یہ تیغ لگائی جو شقی کے سر پر — صاف دو ہو گیا مرحب کی طرح تا بہ کمر
مل گیا خاک میں سب زورِ تنِ بانیِ شر — شیر سے مشک و علم لینے کو آیا تھا اُدھر
آبرو کھو کے بہشتی سے لڑائی میں گرا
سرد ہو کر ستم ایجاد ترائی میں گرا

کہہ کے تکبیر چلے آپ سوئے نہر فرات — اُس طرف گھاٹ سے بڑھ آئی سپاہ بدذات
پھر چلی تیغ علمدار شہ نیک صفات — گھر گھبرا گئے نکل آیا وہ عالی درجات
ایک پر چار طرف سے جو لعیں گرتے تھے
فرق اُڑ جاتے تھے سو سو کے جدھر پھرتے تھے

تر ہوئی خوں سے ترائی یہ جہاں جا کے جھکے — نہ سنانوں سے نہ برچھوں سے نہ تیغوں سے رکے
آئے اُس صف پہ جب اس غول کے سر کاٹ چکے — برقِ شمشیر شررخو سے تنِ اعدا کے پھنکے
شور تھا ہر طرف آتش زدگی ہے بھاگو
آگ دریا کے کنارے پہ لگی ہے بھاگو

آئے دریا پہ علمدار شہنشاہ زمن — نہر کے پانی میں چھاتی تلک اُترا توسن
جھک کے چلو میں لیا آب کہ تھے تشنہ دہن — چاہا کچھ منہ پہ چھڑک لوں کہ ہے گرمی کا محن
گھوڑا پیاسا تھا جدا آپ جدا پیاسے تھے
گھر کے سب پیاسوں سے عباسؑ سوا پیاسے تھے

وجہ اب اس کی سُنیں سبطِ نبی کے احباب   جلیجِ ہفتم کو میسر جو ہوا تھا کچھ آب
کم تھا پانی متردد تھے شہ عرش جناب   اور اطفال تھے سب فرطِ عطش سے بیتاب
سب کو بھر بھر کے کٹوروں میں دیا تھا پانی
پر نہ عباسؑ نے اُس دن سے پیا تھا پانی

واہ رے صبرِ علمدارِ شہ نیک خصال   دھیان آیا کہ ہے پیاسا شہ لولاک کا لال
ہاتھ سے پھینک دیا آب بصد رنج و ملال   مشک بھر لی یہ کیا اپنی عطش کا نہ خیال
ایک قطرہ بھی دم تشنہ دہانی نہ پیا
مُنھ اٹھائے رہا گھوڑے نے بھی پانی نہ پیا

کڑھ گیا دل تو یہ غازی نے کیا اس سے خطاب   کون مانع ہوا، تو نے نہ پیا کس لیے آب
اُس وفادار نے کی عرض کہ اے عرش جناب   میرا آقا تو نہ پانی پیئے میں ہوں سیراب
آپ پیاسے، حرم سبطِ نبیؐ پیاسے ہیں
مع اطفال حسین ابنِ علیؑ پیاسے ہیں

کہہ کے شاباش کیا مرکب جانباز کو پیار   مشک پُر آب لیے نہر سے نکلا جرار
رُخ کیا خیمۂ اقدس کا اڑا کر رہوار   کچھ بڑھے تھے کہ قریب آگئے سب ظلم شعار
کثرتِ افواج کی پہلے سے بھی دہ چند ہوئی
جو نکل جانے کی تھی راہ وہ سب بند ہوئی

چار جانب سے سمٹ آئی ہے اب فوجِ ستم   گرد جلاد ہیں اور بیچ میں وہ بحرِ کرم
اس مصیبت میں زباں پر یہ دعا ہے پیہم   جان جائے مری بچ جائے مگر مشک حرم
تشنہ لب راہ مرے آنے کی تکتے ہوں گے
بچے پانی کے لیے گھر میں بلکتے ہوں گے

شور ادھر ہے کہ یہ جرّار نہ بڑھنے پائے خلفِ حیدرِ کرّار نہ بڑھنے پائے
ثانیِ جعفرِ طیّار نہ بڑھنے پائے اسپِ عباسِ علمدار نہ بڑھنے پائے
چھید لو مشک بھری برچھیوں کے واروں سے
کاٹ دو دست جری ظلم کی تلواروں سے

ایک راوی نے یہ لکھا ہے بصد آہ و بکا آڑ میں نخل کی تھا ایک شقی دوسرا
اُس کا تیغا جو پڑا دستِ یمیں قطع ہوا مثلِ پرنالے کے شانے سے لہو بہنے لگا
آہ بھی منہ سے نہ کی زخم کی ایذا سہہ کر
جُھک گئے مشک پہ یا حافظ و ناصر کہہ کر

پھر لگی دوسرے شانے پہ ستم کی تلوار خاک پر بائیں طرف کٹ کے گرا دستِ یسار
حربے ہاتھوں میں لیے پھر جو بڑھے ظلم شعار نیزہ چھاتی پہ لگا تیر ہوا مشک کے پار
ہے غضب کہہ کے جری رنج و الم سہنے لگا
مل کے پانی سے بہادر کا لہو بہنے لگا

لاکھ دشمن، اسد اللہ کا تھا جانی ایک ہو گئے ہاتھ قلم تھی یہ پریشانی ایک
بہ گیا آب یہ تھا صدمۂ روحانی ایک دشمنوں نے کیا پیاسے کا لہو پانی ایک
درپئے ظلم سپاہ ستم ایجاد ہوئی
سر پٹکتے تھے کہ محنت مری برباد ہوئی

ناگہاں سر پہ لگا گرزِ گراں ہائے غضب شق ہوا فرقِ علمدارِ جواں ہائے غضب
گر پڑا گھوڑے سے وہ سروِ رواں ہائے غضب پھٹ گئے زخمِ تنِ شیر ژیاں ہائے غضب
خاک سے دستِ بریدہ تھے اُٹھے پہلو میں
مشک تھی چھاتی پہ اور ہاتھ کٹے پہلو میں

نوبتیں فتح کی بجنے لگیں لشکر میں اُدھر — یاں سے دوڑے شہِ دیں نوحہ کناں خاک بسر
ساتھ تھے اکبرِ ذی جاہ لیے تیغ و سپر — تھا یہ صدمہ کہ نہ آنکھوں سے کچھ آتا تھا نظر
غمِ عباسؑ تھا برچھی دلِ مُضطر کے لیے
راہ میں بیٹھتے جاتے تھے برادر کے لیے

آہ و فریاد سے ہلتی ہے ترائی کی زمیں — مضطرب نہر کا پانی ہے تو موجیں غمگیں!
ساکنِ بحر ہیں جتنے وہ ہیں مغموم و حزیں — حلقۂ ماتم کا نمودار ہے گرداب نہیں
خاک اُڑاتی ہوئی جنگل سے ہوا آتی ہے
ہائے عباسؑ کی دریا سے صدا آتی ہے

رو رہا اب حضرتِ عباسِ علی کے شیدا — خلق سے اُٹھتا ہے سقائے سکینہ پایا
لاش پر آئے ہیں شبیرؑ لعیں آہ دیکھا — شہ کے ہمراہ ہیں ہمشکلِ رسولِ دوسرا
عالمِ غش میں ہیں آنکھیں بھی نہیں کھولتے ہیں
شاہ چلاتے ہیں عباس نہیں بولتے ہیں

جھک کے فرماتے ہیں سرور کہ برادر اُٹھو — سب یہاں میرے بزرگ آئے ہیں صفدر اُٹھو
بہرِ حقِ پدرِ علیؑ بہرِ پیمبر اُٹھو — جاں بلب ہم بھی ہیں عباسِ دلاور اُٹھو
بات کرتے نہیں یہ کیا ہے کہ چُپ ہے بھائی
کون سی روح پہ ایذا ہے کہ چُپ ہو بھائی

غش میں اُس شیر نے پائی گُلِ زہرا کی جو بو — کھول کر چشم کو دیکھا رُخِ شاہِ خوش خو
عرض کی کیونکر اُٹھوں کٹ گئے دونوں بازو — حرکت تن میں نہیں بہہ گیا زخموں سے لہو
گرزِ شمشیر سے سر تا بہ قدم چور ہوں میں
مُنہ ملوں پاؤں پہ کس طرح کہ مجبور ہوں میں

دیر میں جو بکنے کی وجہ یہ ہے یا مولا — بوسے لیتے تھے مرے شانوں کے محبوبِ خدا
جام کوثر مجھے دیتے تھے شہ عقدہ کشا — میں یہ کہتا تھا کہ پیاسی ہے سکینہ بابا
یہ ندامت ہے بھتیجی سے کہ جینے کا نہیں
جا کے جنت میں بھی پانی ابھی پینے کا نہیں

یا شہ دیں یہ غلام آپ پہ سو جاں سے فدا — نہیں معلوم کہ اب حال سکینہ کا ہے کیا
دیکھیے مشک میں پانی بھی بچا تھوڑا سا؟ — شہ نے فرمایا کہ پانی تو نہیں خوں ہے بھرا
کوشش آب میں پیاری نہ ہوئی جان بھیا
دم آخر بھی ہے بچوں کا مرے دھیان بھیا

سن کے یہ خاک پہ عباسؑ ٹپکنے لگے سر — آہ کی ایسی کہ تھرا گیا حضرت کا جگر
اشک خوں بہنے لگے بند ہوئے دیدۂ تر — ہونٹ تھرائے ہوئی روح مہیائے سفر
اٹھ گئے خلق سے منھ موڑ کے عباس علیؑ
مر گئے خاک پہ دم توڑ کے عباس علیؑ

ہاں غلامان علیؑ چپ نہیں رہنے کی یہ جا — مر گئے حضرت عباسؑ کرو آہ و بکا
ننگے سر گھر سے نکل آئی ہے سب آل عبا — روتے آتے ہیں ترائی سے امام دوسرا
ساتھ اندوہ و غم و درد و الم لاتے ہیں
لاش دریا پہ رہی مشک و علم لاتے ہیں

وجہ یہ لاش نہ لانے کی تھی اے اہل عزا — کی تھی غازی نے وصیت یہ بصد آہ و بکا
یا شہ دیں مری سکینہ کا بنا تھا سقا — پیاسی وہ رہ گئی نادم ہے بھتیجی سے چچا
صدمہ و رنج و الم روح کو سہنے دیجے

ہاتھ کٹنے کا نہ زخموں کا ہے کچھ رنج و الم — بہ گیا مشک کا سب آبِ خنک ہائے ستم
یاں سے میّت نہ اٹھانا مری یا شاہِ اُمم — مُنھ دکھائے گا سکینہ کو نہ یہ کشتۂ غم

دیکھ کر مجھ کو نہ وہ اشک بہائے گھر میں
ہاتھ خالی مرا لاشہ بھی نہ جائے گھر میں

آئے حضرت جو لیے مشک و علمؑ ڈیوڑھی پر — دیکھا سب بیبیاں ہیں نکلے ہوئے گھر سے باہر
بڑھ کے پوچھا یہ سکینہ نے بحالِ مضطر — ہے غضب مشک مری کس لیے لہو سے ہوئی تر

دیر سے میں ہوں کھڑی آس لگائے بابا
نہر سے میرے چچا جان نہ آئے بابا

شاہ نے سر سے عمامے کو ٹپک کر یہ کہا — جام خالی کو لب اب پھینک دو پانی کیسا
چاک کرتے کا گریباں کرو اے ماہ لقا — منتظر کس کی ہو مارے گئے بی بی کے چچا

نہر پر سوتے ہیں منھ تم کو دکھانے کے نہیں
گھر میں عباسِؑ علمدار اب آنے کے نہیں!

خاک اُڑانے لگی سر پر وہ حزینِ ناشاد — آلِ احمد میں ہوا شور بکا و فریاد
بس نفیس آگے نہ لکھ حالِ شہِ نیک نہاد — اب دعا مانگ بصد عجز کہ اے ربِ عباد

آرزو یہ ہے کہ دربارِ حسینی دیکھوں
روضۂ پاکِ علمدارِ حسینی دیکھوں

۷۸۶

چوتھا مرثیہ

در حالِ حضرت علی اکبر علیہ السلام

(بند ۹۸)

ثنائے یوسفِ شبیرؑ ہے جمالِ سخن عزیز جاں سے ہے یہ نظم بے مثالِ سخن
بڑھا ہے پھر شرفِ نیّرِ کمالِ سخن دکھائے حسن نہ کیوں ماہِ بدر بے زوالِ سخن
خجل ہے وقتِ رقم برقِ طور کا جلوہ
وہ لفظ لفظ سے پیدا ہے نور کا جلوہ

ریاضِ فکر میں تازہ بہار پھر آئی گلِ سخن کے مہکنے کی بار پھر آئی
شمیمِ باغِ شہِ نامدار پھر آئی مرے چمن میں ہوا عطر بار پھر آئی
زمانہ جس سے ہے خوشبو وہ پھول چنتا ہوں
گلِ ثنائے شبیہِ رسولؐ چنتا ہوں

بلند مرتبہ شبیرِ خوش خصال کے لال جہاں کے تاج شہنشاہِ ذی کمال کے لال
جلیلِ ورِ نجفِ شیرِ ذوالجلال کے لال نبیؐ کی جان کی جان فاطمہؑ کے لال کے لال
کسی کو پاک گہر ایسے پر ضیا نہ ملے
کسی کو ایسے کبھی لعل بے بہا نہ ملے

علیؑ کے گھر میں عدیم النظیر یہ بھی ہیں بہارِ باغ بشیر و نذیر یہ بھی ہیں
مثالِ شاہ نجف قلعہ گیر یہ بھی ہیں کہ ورثہ دار جناب امیر یہ بھی ہیں
جہاں میں ان کی شجاعت کے ذکر ہوتے ہیں
پسر حسینؑ کے خیبر شکن کے پوتے ہیں

ہر ایک عضو سے نور محمدی کا ظہور وہی قد اور وہی ہاتھ پاؤں کا دستور
مثالِ صدرِ نبیؐ صدر حسن سے معمور سوائے مُہرِ نبوت وہی تھا پشت میں نور
پڑھیں درود غلامان فاطمہؑ ان پر
مشابہت کا نبیؐ سے ہے خاتمہ ان پر

وہ اوج و مرتبہ و عزت جلال و وقار یہی تھے رونق کاشانۂ شہ ابرار
انھیں پہ سب تھے فدا اور انھیں پہ سب تھے نثار محبت ان سے وہ ماں باپ کی پھوپھی کا وہ پیار
ہر اک کی جان جگر بند شاہ والا تھا
نواسیوں نے محمدؐ کی ان کو پالا تھا

نثار بہنیں بھی ان پر تھیں اور بھائی بھی ہر اک پہ شاق تھی اک آن کی جدائی بھی
فدا تھی ماں بھی تصدق علیؑ کی جائی بھی چچا بھی صدقے تھے اور شاہ کربلائی بھی
سب ان کی دید سے محظوظ و شاد ہوتے تھے
پر ان کو دیکھ کے اکثر حسینؑ روتے تھے

یہ عرض کرتی تھیں بھائی سے زینبؑ ناچار سبب ہے کیا کہ جو روتے ہیں سید ابرار
بہن سے کہتے تھے فرزند احمد مختار خیال ان کے ہے انجام کا مجھے ہر بار
تمھیں تو بیاہ کی اکبر کے ہے ہوس زینبؑ
سفر کریں گے یہ اٹھارہ ہوں برس زینبؑ

وہی ہوا کہ جو کہتے تھے شاہِ نیک نہاد — چلے مدینے سے حضرت وطن ہوا برباد!
لٹا علیؑ و محمدؐ کا خانۂ آباد — اکیلی رہ گئی صغرائے بیکس و ناشاد
اس انقلاب نے گریاں کیا زمانے کو
نبیؐ کے پھول چلے کربلا بسانے کو

دوم کو ماہِ محرم کی پہونچے شاہِ انام — مثالِ عرش بنا و بہشت کربلا کا مقام
اُدھر کو جمع ہوئی فوجِ روم و کوفہ و شام — نہم کو گھر گئے نرغے میں یہ ہوا انجام
پئے عبادتِ حق فرصت ایک شب کی ملی
مصیبتوں سے فقط مہلت ایک شب کی ملی

شبِ دہم کو پئے طاعتِ خدا میں جناب — ہوئے نہ ایک گھڑی آشنائے بسترِ خواب
نہ اپنا دھیان تھا نے رنج و فرقتِ احباب — دعائے بخششِ امت تھی اور چشم پُر آب
حضورِ قلب رہا شب بھر ان بلاؤں میں
نمازِ صبح کا وقت آ گیا دعاؤں میں

پئے صلوٰۃ اُٹھے ہر طرف نماز گزار — زمیں پہ چار طرف نور چھا گیا یک بار
چلی نسیمِ سحر تازہ ہو گئے گلزار — ہوا کے سر لگی جھومنے لگے اشجار
چمن کا اور بڑھا رنگ نغمہ خوانوں سے
طیور اُڑنے لگے اپنے آشیانوں سے

محیط ہو گئی عالم میں قدرتِ داور — وہ آسماں کی صفائی نہ ٹھہرے جس پہ نظر
ستارۂ سحری کی چمک وہ گردوں پر — وہ آب و تاب ہر اک باغ کی وہ نورِ سحر
چمن کے صحن کو خوشبو سے گل بسانے لگے
طیور اِدھر سے اُدھر گلشنوں میں جانے لگے

صفائیاں رُخِ پاکِ سحر نے دکھلائیں ظہورِ نور تھا بالا سے لے کے تا پائیں!
وہ تازہ ہو گئیں جو پتیاں تھیں کُمھلائیں نہالِ سرو پہ اُڑ اُڑ کے قمریاں آئیں
جو بلبلیں تھیں کہیں وہ نہ بھول کر بیٹھیں
قریب پھولوں کے سب کُھول کُھول کر بیٹھیں

وہ اہتزار درختوں کا اور گلوں کی وہ بو وہ جھوم جھوم کے چلنا نسیم کا ہر سو
کہیں تو شور تھا حق حق کا اور کہیں کو کو گلوں کے بیچ میں بلبل چھپی تھی تا بہ گلو
بہار اوج پہ تھی بزم بزم پھولوں کی
ہوائے سرد میں صحبت تھی گرم پھولوں کی

وہ آبِ نہر وہ اک اک حباب کا جوبن چراغ جلتے ہیں پانی میں جب یہ تھا روشن
وہ نغمہ سنجیِ مرغانِ خوش نوائے حسین نوائے طیر سے اک وجد میں تھا سب گلشن
وہ حُسنِ صوت کہ گلچیں بھی دل پکڑتے تھے
دہن سے بلبلِ شیدا کے پھول جھڑتے تھے

مہکتے تھے گلِ بستانی اور صحرائی ہوا ہوئی جو معطر تو اور اترائی!
کبھی ادھر کبھی متوالی اُس طرف آئی گلوں سے مل کے چلی اور نہ چھاؤں کھائی
جدھر کو رُخ کیا پھولوں سے بو نکلنے لگی
روش پہ آئی تو اٹکھیلیوں سے چلنے لگی

سرور سب کو چمن زار و لالہ زار سے تھے نہال وجد میں طائرس کی پکار سے تھے
کلیجے ٹھنڈے دمِ صبح کی بہار سے تھے مکاں بسے ہوئے گلہائے عطر بار سے تھے
دماغ و جسم معطر تھا دل ملولوں کا!
نسیم بانٹتی پھرتی تھی عطر پھولوں کا

ہر اک چمن پہ اُداسی ابھی تھی سحر چھائی　　کہ باغِ فاطمہ زہراؑ پہ تھی خزاں آئی!
نسیم جا کے خبر کربلا سے یہ لائی　　بغیر آب ہے کھیتی علیؑ کی مرجھائی
حرم سے اب گلِ زہراؑ کا ساتھ چھٹتا ہے
ریاضِ مرتضوی نینوا میں لٹتا ہے

غضب کا دن ہے کرو اے گلو گریباں چاک　　اُتر کے نخل سے اے بلبلو اڑاؤ خاک
بس اب نہ نوحہ کناں مل کے بادلِ غمناک　　پڑھو تو مرثیۂ سبطِ سیدِ لولاک
چمن بتولؑ کا اب پائمال ہووے گا
شہید آج محمدؐ کا لال ہووے گا

لکھا ہے صبحِ شبِ قتلِ شاہِ دیںؑ یہ حال　　سپاہِ شام مسلح ہوئی برائے جدال!
صفیں جمانے لگے افسرانِ بد افعال　　بڑھے اُدھر سے کماندار ناستودہ خصال
ہر اک طرف سے شقی دشت پر آنے لگے
سحر کے ہوتے ہی خیمے پہ تیر آنے لگے

فریضۂ سحری پڑھ کے یاں امامؑ اُٹھے　　بصد ادب رفقائے ذوالاحترام اُٹھے
پکڑ کے تیغوں کو آقا کے سب غلام اُٹھے　　غضب میں آ کے علمدارِ نیک نام اُٹھے
حرم میں جلوہ نما شاہ مثلِ شمع ہوئے
درِ حضور پہ پروانے آ کے جمع ہوئے

سپاہِ شام سے بڑھ کر حبیبؓ نے یہ کہا　　یہ کیا ہے بے ادبی اور یہ کیا ہے ظلم و جفا
ہوئے ہو تم خلل انداز بندگیِ خدا　　بتاؤ کیا ہے جگر گوشۂ نبیؐ کی خطا
یہ بے گناہ ہوں پہ غصہ عبث اُتارتے ہو
دغا تو ہم سے ہے خیمہ کو تیر مارتے ہو

یہ ذکر تھا کہ حرم سے شہِ اُمم نکلے علم لیے ہوئے عباسؑ باکرم نکلے
نبیؐ کی شان سے اکبر بصد حشم نکلے سلاح سج کے عزیزانِ محترم نکلے
سوار شاہ ہوئے سب دلیر ساتھ چلے
پئے جہاد غضبناک شیر ساتھ چلے

عجب شکوہ سے مقتل میں آئے شاہِ اُمم صفیں اُدھر کی بندھیں اور کھلے سیاہ علم
سپاہِ شاہ پہ آئے خدنگ جب پیہم بڑھے وغا کو رفیقانِ قبلۂ عالم
ادا امامِ اُمم کے حقوق کر کے مرے
مرے تو لاشوں سے میدان جنگ بھر کے مرے

لیا عزیزوں نے پھر شاہِ دیں سے حکمِ جہاد لڑے یہ ایسے کہ شیرِ الٰہ آ گئے یاد
کمائی حیدر و جعفر کی سب ہوئی برباد لُٹا حسنؑ کا بھی جنگل میں گلشنِ آباد
جو شہ کی جان تھے بے جان وہ سب شہید ہوئے
خدا کی راہ میں عباسؑ بھی شہید ہوئے

پڑا یہ شور کہ سردار بے سپاہ ہوا علیؑ و فاطمہ زہراؑ کا گھر تباہ ہوا
ستارے چھپ گئے تنہا علیؑ کا ماہ ہوا خزانہ لٹ گیا محتاج بادشاہ ہوا
تمام عمر کی دولت کو کھو چکے شبیرؑ
زوالِ مہرِ فلک سب کو رو چکے شبیرؑ

سوائے اکبر و سجادؑ کوئی پاس نہیں سو وہ بھی جاتے ہیں اب جانبِ بہشتِ بریں
کھڑے ہوئے ہیں مسلح قریبِ سرورِ دیں ہے آرزو کہ ملے جلد حکمِ جنگ کہیں
اجل کا شوق ہے مُنھ زندگی سے موڑے ہیں

پدر سے عرض یہ کرتے ہیں اکبر خوش خو — غلام دیکھے سدھاریں حضور مرنے کو
یہ جبر اٹھائے جہاں میں وہی امام جو ہو — کہا حسین نے اے لال دل میں سوچو تو
ہمیں جو غم ہیں بیاں میں وہ آ نہیں سکتے
تم ایک داغ ہمارا اٹھا نہیں سکتے

جو ضد تمھاری یہی ہے تو جاؤ اے دلبر — بیاں پدر سے جو تم نے کیا وہ سچ ہے مگر
اکیلے ہو کے کریں کیا ہم اے علی اکبر — تمھاری لاش اٹھائیں کہ لیں حرم کی خبر
غضب ہے ایک بھی حامی سوائے یاس نہ ہو
گلا کٹے جو ہمارا تو کوئی پاس نہ ہو

یہ سن کے ہو گئے بیتاب اکبر مہرو — کلیجہ ہل گیا بھر آئے چشم تر میں آنسو
جھکے جو بہر تسلیم سید خوش خو — یہ روئے شاہ کہ بندھ آئے ہچکی تا بہ گلو
گلے لگا کے پسر کو دعائیں دینے لگے
حسین سینۂ اکبر کے بوسے لینے لگے

پسر کو لے گئے خود گھر میں شاہ جن و بشر — کمر خمیدہ تھی لب خشک چشم اشکوں سے تر
قریب صحن یہ دیکھا کہ زینب مضطر — کھڑی ہیں گریہ کناں ننگے پاؤں ننگے سر
جگر سے کھینچ کے اک سرد آہ رونے لگے
بہن کے حال پریشاں پہ شاہ رونے لگے

کہا کہ صبح سے ہے آج انھیں وغا کی امنگ — اب ان کو دو مری خاطر سے تم بھی رخصت جنگ
عطش جو ہے کئی دن کی تو زندگی سے ہیں تنگ — اب ان کا چاند سا سینہ ہے اور سنان و خدنگ
چھٹے گا آج سبھوں سے یہ مہ لقا زینب
انھیں بھی رو دو یہ ہے مرضی خدا زینب

خموش ہو گئی یہ سُن کے شاہ کی خواہر — نکل سکا نہ یہ مُنھ سے کہ جاؤ اے دلبر
گری زمیں پہ غش کھا کے بانوئے مضطر — حرم سے مل کے روانہ ہوئے علی اکبرؑ
سراپا آگئے نبیؐ کا تھا لال کھولے ہوئے
تمام بی بیاں پیچھے تھیں بال کھولے ہوئے

تڑپ رہے تھے شہِ دیں بھی تھا یہ رنج و ملال — پُر آب دیدۂ اکبر بھی تھے یہ دیکھ کے حال
سروں پہ خاک اُڑاتی تھی سب رسولؐ کی آل — قریبِ ڈیوڑھی کے پہونچا امامِ پاک کا لال
ہٹا کے پردے کو وہ سیمبر نکل آیا
ستارے رہ گئے گھر میں قمر نکل آیا

عقابِ دلبرِ شاہِ فلک جناب آیا — شتاب در پہ کمیتِ صبا شتاب آیا
جری قریب سمندِ گراں رکاب آیا — ہوئے سوار بلندی پہ آفتاب آیا
چڑھیں جہاد پہ جلدی یہ اہتمام کیا
وداع شہ سے ہوئے آخری سلام کیا

لگام ہاتھ میں لیتے ہی راہوار بڑھا — مثالِ صاحبِ دُلدل وہ شہسوار بڑھا
سپاہِ شام کا رُخ کر کے ذی وقار بڑھا — وغا کا جوش بڑھا شوقِ گیر و دار بڑھا
حسام دوش پہ اللہ کے ولی کی طرح
یہیں سے پڑ گئے ابرو میں بل علیؑ کی طرح

اُٹھا کے تیغ بڑھے رن میں لو علی اکبرؑ — رجز پڑھا کہ ہلے ڈر سے دشمنوں کے جگر
زباں پہ تھا کوئی نکلے جو تم میں ہو صفدر — خلف ہم اس کے ہیں جس نے بھگائے ہیں لشکر
ظفر علیؑ کے لیے ہے علیؑ ظفر کے لیے
ہوئی ہے خلق شجاعت ہمارے گھر کے لیے

شہ نجف کو وہ رتبے کئے خدا نے عطا کہ جو ہے بعد نبیؐ کُل کا مقتدا اجدا
غنی، شجاع، بہادر، دلیر، قلعہ کشا جلیل، سابق الاسلام، نور ربِّ عُلا
یہ اوج موسیِ عمراں کا نے خلیل کا ہے
وہ ماسبق ہے جو اُستاد جبرئیل کا ہے

دلاوروں کے ہوئے رنگ جس کی ضرب سے فق علیؑ کی سمت جو حق ہے تو وہ ہیں جانب حق
سلاسل و اُحد و بدر و خیبر و خندق یہ غزوے سر جو ہوئے کفر کا جگر ہوا شق
جہاں میں گلشن اسلام سر بسر پھولا
علیؑ کی تیغ کے پھل سے گُل ظفر پھولا

ہمارے آگے یہ پیدل ہیں کیا سوار ہیں کیا ہزار ہیں تو ہیں کیا چیز، دس ہزار ہیں کیا
اسد کے آگے شغالان بے شمار ہیں کیا یہ کیا ہیں تیر فگن اور نیزہ دار ہیں کیا
نہ بڑھ سکیں گے جو گھوڑے تمھارے آندھی ہیں
کھلے گی ان کی حقیقت صفیں جو باندھی ہیں

یہ سُنکے لشکر ناری بڑھا پھنکی قرنا گئی فلک پہ صدائے جلاجل و کرنا
پکاری موت ذرا سوچ کر وغا کرنا علیؑ کے شیر ہیں یہ ان سے جنگ میں ڈرنا
سب ان کی جنگ سے جن ہوں کہ انس واقف ہیں
بشر تو کیا ہیں کہ روح الامیں بھی خائف ہیں

لگا کے تیر قریب آئی جب سپاہِ کثیر جلال میں علیؑ اکبرؑ نے کی علم شمشیر
اُڑا صفوں کی طرف توسن سپہر مسیر اُٹھے جو سُم تو نظر آئے چار ماہ منیر
ہوا سے بڑھ کے چلن اسپ سربلند کے تھے
سپاہیوں کے سروں پر قدم سمند کے تھے

گری وہ تیغ سروں پر تو سر دو نیم کیے — پڑی کمر پہ تو بندِ کمر دو نیم کیے
چلی تبر پہ تو دستِ تبر دو نیم کیے — بڑھی تو کفر کے اونچے شجر دو نیم کیے
اٹھی تو روشنی اک صورتِ چراغ ہوئی
نہالِ شرک جو کاٹے تو باغ باغ ہوئی

کوئی شریر کمر جنگ پر نہ کستا تھا — ہوئی یہ لاشوں کی کثرت کہ بند رستا تھا
امان و امن کی خاطر ہر اک ترستا تھا — سروں پہ سر تھے لہو پہ لہو برستا تھا
وہ مضطرب تھے کہ جو زیرِ خاک رہتے تھے
یہ خوں بہا تھا کہ مُردے زمیں پہ بہتے تھے

زمیں کے فرش پہ تن لوٹتے تھے مقتل میں — بچھا ہوا تھا بچھونا سروں کا جنگل میں
ظفر پہ تیغ کو تکیہ تھا فوج کے دَل میں — پڑی تھی چادرِ دہشت زمیں پہ ہلچل میں
اجل نے مُنھ سرِ بالیں دکھا دیا اپنا
اماں نے خوف سے بستر اُٹھا لیا اپنا

ہزاروں خاک پہ ٹکڑے پڑے تھے بھالوں کے — تمام کُھل گئے عقدے زرہ کے جالوں کے
مثالِ ابر سروں پہ تھی بدخصالوں کے — دھوئیں اُڑا دیے فوجِ ستم کی ڈھالوں کے
جو تیغ ہو تو پئے اہلِ نار ایسی ہو
ہو اَبر ایسا دھواں دھار دھار ایسی ہو

جری کی تیغ میں تھا ذوالفقار کا سب ڈھنگ — وہی چمک وہی سرتیزیاں وہی سب رنگ
وہی تراش خراش اور وہی برشِ دمِ جنگ — وہی صفا وہی جوہر کہ جس سے آئینہ دنگ
اُسی طرح چم و خم آب و تاب بھی ویسی
زباں دراز بھی حاضر جواب بھی ویسی

اُسی طرح سے ظفر آیہ وہ ظفر پیکر
اُسی طریق سے الماس رنگ خوش جوہر
جگر شگاف و سر افشاں مثالِ تیغ دو سر
دہن میں اس کے زبانیں اگرچہ دو تھیں مگر
پھل اس طرح کا بھی جوہر میں کوئی غرق نہ تھا
زباں تھی ایک پہ باتوں میں کوئی فرق نہ تھا

سراجِ انجمنِ جنگ، تیز و شعلہ فشاں!
زبانہ سوز و سر افگندہ و سرکش و بُرّاں
خود اُس کو تھا یہی دعویٰ کہ اے سپاہ گراں
نہیں کوئی مرا ثانی یہ سب ہے ایک زباں
یہ پھل ترازوئے فتح و ظفر میں تُلتا ہے
مجھی سے جنگ میں نصرت کا قفل کھلتا ہے

خوشا جلالِ علی اکبرِ دلیر و جری
وہ خالی ہو گئیں دم بھر میں جو صفیں تھیں بھری
وہ ضو کلائی کی تلوار کی وہ جلوہ گری
وہ راہوار کی چھل بل خجل ہو جس سے پری
ظفر کا دائرہ اُس کا سُم ایک کاوا تھا
ہوا تھا، آگ تھا، سیماب تھا، چھلاوا تھا

چمک وہ نعل کی جس سے ہلال جیسے ہو دنگ
شتاب غاشیہ بردار، دوڑ، دُور و درنگ
وہ دُم جھنور سے کئے پھرتا اِدھر اُدھر رم جنگ
جو سرسری بھی چلا وہ تو پائے برق کٹے ڈھنگ
ہوا جو ساتھ بھی دوڑی تو پاؤں پھول گئے
یہ ہوش اُڑے ہیں کہ طاؤس رقص بھول گئے

اُدھر کھرے سے کھرے گو سمند کے چھلتے تھے
پھر اس کو فوج میں پھرنے کے رستے ملتے تھے
کف اُس کے منہ میں آتا تھا پھول کھلتے تھے
طبق زمین کے ٹاپوں سے اس کی ہلتے تھے
فرس کے سُم کی دھمک سے یہ بیقراری تھی
مثالِ فوجِ حزیں سینہ چاک ساری تھی

ہُما سے بڑھ کے ہمایوں خجستہ کام ایسا
پھرے اشارے پہ خوش فہم و خوش لجام ایسا
نسیم کو ہو تحیّر شتاب خرام ایسا
سحاب شرم سے پانی ہو تیز گام ایسا
فرس نہ ترک کا ایسا تھا نے عراق کا تھا
فلک پہ جانے میں وہ ہم قدم بُراق کا تھا

وغا میں کر دیے پامال اس نے کفر کے گاؤں
عدو پہ شیر صفت بہر صید کرتا تھا داؤں
یہ شور تھا نظر آتی نہیں سمند کی چھاؤں
قدم یہ ہیں کہ نکالے ہوا نے پیٹ سے پاؤں
کدھر یہ آتا ہے سن سے کدھر نہیں آتا
نظر میں پھرتا ہے اور پھر نظر نہیں آتا

ہوئے جو قتل اُدھر بے شمار ظلم شعار
ہراس چھا گیا ساری سپاہ پر یک بار
بھگائے فوج نے گھوڑے اٹھا زمیں سے غبار
شکست کھا کے ہٹے پائے لشکر کفار
ہوئی ظفر پسرِ شاہِ انس و جن کی طرف
نظر جو کی تو نہ مُنھ تھا کسی کا ان کی طرف

صدا یہ دی علی اکبر نے فوج کو تن کر
یہ کیسی جنگ کہ مُنھ اِس طرف ہے پُشت اُدھر
پرے ہیں درہم و برہم صفیں ہیں زیر و زبر
منافقوں کو بھگاتے ہیں یوں علی کے پسر
ہمارے سامنے یہ لوگ گردِ میداں ہیں
ابو تراب کے فرزند مردِ میداں ہیں

دیا نہ ایک نے اس تیغِ آبگوں کا جواب
لڑو گے خاک کہ تم ہو ذلیل و خانہ خراب
سحر سے تم تو کئی بار ہو چکے سیراب
ملا نہیں ہمیں دو دن سے ایک قطرۂ آب
یہ بھاگنا نہیں، ترکِ ستیز کرتے ہو
کھُلا ہمیں کہ وغا سے گریز کرتے ہو

بُلا کے شمر کو بولا تب ابنِ سعدِ لعیں — کہ فتح یاب ہوا ہم پہ دلبرِ شہِ دیں!
کہا یہ شمرِ لعیں نے کہ ہل رہی ہے زمیں — قدم سپاہ کے اکھڑے ہیں یوں کہ جمتے نہیں
علیؑ کا شیر ہے رُکتا نہیں جوانوں سے
جو صف بھری تھی وہ خالی ہے پہلوانوں سے

یہ ذکر تھا کہ جو دی ایک پیک نے یہ خبر — کہ ملک رَے سے اک آتا ہے پہلوان اِدھر
کئی لٹکتے ہیں فتراک میں بندھے ہوئے سر — کوئی جو دیکھے تو ہیبت سے اُس کی شق ہو جگر
سوار اور بھی آتے ہیں نینوا کی طرف
کمک یزید نے بھیجی ہے کربلا کی طرف

یکایک آن ہی پہونچا قریں وہ بانیِ شر — اُچھل پڑا پسرِ سعد، کی جو اس پہ نظر
شقی نے پوچھا کہ مارا گیا نبیؐ کا پسر — ابھی نہیں، یہ کہا ابن سعد نے بڑھ کر
وہ بولا اب یہ خلف کس ولی کا لڑتا ہے
کہا لعیں نے کہ پوتا علیؑ کا لڑتا ہے

چڑھائی غیظ سے تیوری علیؑ کا سنتے ہی نام — کہا جری نہیں بودے ہیں یاں کے لوگ تمام
سر اس کا لاتا ہوں میں اے امیرِ لشکرِ شام — وہیں یہ کہہ کے پھرائی فرس کی اس نے لجام
ظفر نے دی یہ صدا ہرزہ کار آتا ہے
حضور لیجئے رَے کا شکار آتا ہے

قریبِ شیر جو آیا وہ بزدل و مکار! — اِدھر سنبھل گئے گھوڑے پہ اکبرِ جرار
ہلا کے بھالے کو بولا وہ سرکش و غدار — میں اپنے وقت کا رستم ہوں اک ذرا ہشیار
جہاں میں دھاک ہے وہ قہر ہے ستیز مری
کسی سے رک نہ سکی ضربِ تیغِ تیز مری

پکارے یہ کہ خبردار ہم ہیں، بڑھ آگئے — جو تو ہے مست تو ہشیار ہم ہیں بڑھ آگئے
جدال و جنگ پہ تیار ہم ہیں، بڑھ آگئے — کبھی ہٹے نہ وہ جرّار ہم ہیں، بڑھ آگئے
ہمارا اوج و حشم آسماں کے اوج سے پوچھ
بھگا دیا ترے لشکر کو اپنی فوج سے پوچھ

غضب کا طیش میں آیا ستمگر یہ سن کر — اُدھر سے وہ تو اِدھر سے بڑھے علیؑ اکبر
اٹھے وہ ہاتھوں میں بھالے کہ جھکے جن پہ سر — چلیں ستم کی وہ چوٹیں کہ ڈر گیا لشکر!
ملی نظر سے نظر تیوریں بگڑنے لگیں !
لڑے یہ کیا کہ سنانیں بھی اُٹھ کے لڑنے لگیں

پڑی جو چوٹ پہ چوٹ ان کی اور سناں پہ سناں — لچک لچک گئی نیزے کی اس کے چوبِ گراں
ہنر دکھا کے جو ہارا تو ہو گیا حیراں — ملا کے بھالے سے بھالے کو دی انھوں نے تکاں
اُڑا شریر کی مٹھی سے چھوٹ کر نیزہ
گرا زمیں پہ کئی جا سے ٹوٹ کر نیزہ

پکارا ہنس کے جگر بندِ حیدرِ صفدر — کھلے نبیرۂ مشکل کشا کے تجھ پہ ہنر
شکست کس کو ہوئی دیکھ اور کس کو ظفر — جو ہم سے لڑ کے لیتے ہو یا خدا ہیں ٹھہر
اس اپنے بھالے کو سرکش نہ کیوں سنبھال لیا
ہمارے ہاتھ کی قوت کو دیکھ بھال لیا

کماں میں تیر کو جوڑا جو غضب میں ستمگر — اِدھر سے جھک کے بڑھا نیزۂ علیؑ اکبر
خطا شعار نے کھینچی نہ تھی ابھی کہ سپر — در آئی قوس کے بازو میں نوکِ نیزہ اِدھر
اُٹھا جو زور سے بھالا دل اس کا ٹوٹ گیا
شقی کے مٹھی سے قبضہ کماں کا چھوٹ گیا

بلند ہو کے اُدھر سے جو ہاتھ اُدھر آیا   نشانِ پنجۂ تقدیس بعین نظر آیا
خدنگ چھوٹ کے چلّے سے خاک پر آیا   جگر میں تیرِ الم بے حیا کے در آیا
خوشی کا رنگ دلاور کے روئے پاک پہ تھا
ہوا پہ زاغِ کماں، مرغِ تیر خاک پہ تھا

ہوا نہ جب کسی حربے میں وہ جواں سر پر   قریب تھا کہ نکل جائے دب کے بانیٔ شر
علیؑ کے لختِ جگر نے صدا یہ دی بڑھ کر   وہ کیا ہوئی تری قوت گیا وہ زور کدھر
بہادری میں بڑا ارے سے آ کے نام کیا
یہ کیا ہوا کسی حربے نے کچھ نہ کام کیا

غرور میں نہیں جو لطف انکسار میں ہے   ذلیل پھر بھی ہے بکتا جو تو ہزار میں ہے
جو گُل نے پائی ہے عزت کہاں وہ خار میں ہے   ستم شعار بڑا فرق نور و نار میں ہے
خذف ہے کیا دُرِ خوش آب و تاب کے آگے
کبھی جلا ہے چراغ آفتاب کے آگے

علم شریر نے کی جل کے اس طرف تلوار   چمک کے یاں بھی اٹھی تیغِ صاعقہ کردار
مثالِ برق بڑھے اشہبِ صبا رفتار   قریب آ گئے جو دُور دُور تھے اسوار
سوئے یمیں پسرِ سعد نابکار آیا
کمک کو شمرِ لعیں جانبِ یسار آیا

پھر آ کے دشت میں بھاگے ہوؤں کی جم گئی صف   بجے سپاہ میں پھر جابجا جلاجل و دف
اُدھر ہے مرحبِ ثانی، اِدھر علیؑ کا خلف   اُدھر شکست کا منھ، رُخ ظفر کا ان کی طرف
عدوئے رب ہے وہ ادبار اس کو تکتا ہے
ستارہ آپ کے اقبال کا چمکتا ہے

بلند ہاتھ ہیں تیغوں کے وار چلتے ہیں کنوتیاں فرس تیز دم بدلتے ہیں
کڑی ہے دھوپ تو حلقے زرہ کے جلتے ہیں وہ جب دبکتا ہے کفار ہاتھ ملتے ہیں
جری کی ضرب کا لشکر اٹھا نہیں سکتا
یہ خوف ہے کہ شقی سر اٹھا نہیں سکتا

اسی جدال میں زد پر جو آ گیا غدار صدا یہ دی علی اکبرؑ نے شمر کو یکبار
مدد کو اس کی بس اب بڑھ ادھر او مکار چلا جحیم میں یہ دیر کچھ نہیں زنہار
یہ رنگ دیکھ کے خود مارے ڈر کے زرد ہے تو
بچا لے اس کو تو جانیں بھلا کہ مرد ہے تو

بڑھا تھا وہ کہ چلی سن سے تیغ شعلہ فشاں بدن سے اڑ گیا سر خوں ہوا گلے سے رواں
گرا زمیں پہ تن نحس مثل کوہ گراں نہ دم رہا، نہ وہ موذی کا بل، نہ جسم میں جاں
غضب کا ہاتھ شقی کو، دلیر نے مارا
پڑا یہ شور کہ اژدر کو شیر نے مارا

وہ قتل کیا ہوا سب فوج کا نکل گیا دم بڑھے ادھر علی اکبر اٹھا کے تیغ دو دم
پھر ان کے خوف سے پسپا ہوئی سپاہ ستم پکارا تب یہ بن سعد مرتد و اظلم
ہٹے نہ کوئی ادھر فوج کے جوانوں میں
اب اس دلیر کو ہاں گھیر لو سنانوں میں

چہار سمت سے نزدیک آ گیا لشکر تمام فوج کے نرغے میں گھر گئے اکبرؑ
چلیں قریب سے تلواریں دور سے پتھر وہ نوکیں بھالوں کی اور پھول سا تن انور
چھپے تھے گوشوں میں جو وہ بھی سب نکلنے لگے
کڑی کمانوں سے پیاسے پہ تیر چلنے لگے

وہ فوجِ ظلم کے ریلے وہ "قتلو" کی پکار　　ادھر پیادے ہیں گھیرے ہوئے اُدھر اسوار
تبر بھی پڑتے ہیں چلتے ہیں برچھیوں کے بھی وار　　بڑھا ہے ضعف نہیں طاقتِ وغا زنہار

گھٹا ہے زورِ جری کو ہے یاس جینے سے
کھلے ہیں زخم، لہو بہ رہا ہے سینے سے

عطش سے اینٹھ رہی ہے دہن میں خشک زباں　　کلیجا سینے میں پھکتا ہے اب لبوں پہ ہے جاں
لڑے ہیں بعد سبھوں کے جو رہیں تشنہ دہاں　　زیادہ سب سے ہیں پیاسے سوائے شاہِ زماں

اب اور آگ جگر میں لگی کہ زخمی ہیں
دو چند ہو گئی ہے تشنگی کہ زخمی ہیں

چھٹی ہے باگ اب آتا ہے غش پہ غش ہر بار　　ڈھلا ہے دوش پہ سر کانپتا ہے جسمِ نزار
فرس پہ تھم نہیں سکتا حسینؑ کا دلدار　　یہ حال تھا کہ پڑی سر پہ شیث کی تلوار

جبیں پہ اک تبرِ خولیِ شریر لگا!
جگر پہ چل گئی برچھی گلے پہ تیر لگا

تڑپ کے جھک گیا رہوار پر وہ ماہ لقا　　جگر پکڑ کے کئی بار آہ آہ کہا!
اُٹھا یہ درد کہ چہرے کا رنگ زرد ہوا　　گلے کے زخم سے خوں نالے کی طرح بہا

کلام درد زبانِ جناب سے نکلے
قدم جو کانپ رہے تھے رکاب سے نکلے

اُلٹ کے گھوڑے سے وہ نوجواں زمیں پہ گرا　　کلیجا تھامے ہوئے نیم جاں زمیں پہ گرا
علیؑ کے باغ کا سروِ رواں زمیں پہ گرا　　سرورِ سینۂ شاہِ زماں زمیں پہ گرا

فرس سے گرتے ہی ریتی پہ اس طرح تڑپے
زمیں پہ ماہیِ بے آب جس طرح تڑپے

انی ٹوٹ کے سینے میں بیکس پدر کو دی یہ صدا — گرا زمیں پہ فرس سے غلام یا ابتا
بدن میں طاقت نہیں دم لبوں پہ آ پہونچا — سفر قریب ہے تشریف لائیے بابا

پسر سے آپ کے خالی زمانہ ہوتا ہے
اب آئیے کہ مسافر روانہ ہوتا ہے

یہ سُن کے ہو گئے بیتاب شاہِ جن و بشر — عمامہ پھینک کے سر پیٹنے لگے سرور
نکل کے در سے جو بانو نے پوچھا حالِ پسر — کہا حسینؑ نے مارے گئے علی اکبر

پدر سے لال برابر کا چھُٹ گیا بانو
تباہ ہم ہوئے بسا گھر لُٹ گیا بانو

یہ کہہ کے سوئے دشتِ کارزار چلے — پسر کی لاش پہ نالان و بیقرار چلے
عجیب حال سے شبیرِ نامدار چلے — دل و جگر کہ بریان و اشکبار چلے

تڑپ تڑپ کے جگر بند کو پکارتے تھے
کبھی تو سینے پہ گہ سر پہ ہاتھ مارتے تھے

قریب لاش جو پہونچا رسولؐ کا جایا — جواں بیٹے کو بیحال خاک پر پایا
لہو میں غرق جو لختِ جگر نظر آیا — وہ آہ کی شہ دیں نے کہ عرش تھرایا

گرے زمیں پہ اور آنکھوں سے اشک ڈھلنے لگے
لہو بھرے ہوئے ماتھے پہ منہ کو ملنے لگے!

بکائے شہ سے وہ مجروح ہوش میں آیا — ہٹا کے ہاتھ کلیجے کا زخم دکھلایا
کہا سرہانے پہ بیٹھے جب آپ کا سایا — وہ گھاؤ جھک کے جو دیکھا تو شہ نے فرمایا

یہ زخم میرے سینے کی خراش ہے بیٹا
تمام قلب و جگر پاش پاش ہے بیٹا

کڑی ہے دھوپ چلو گھر میں آ مرے دلدار پھوپھی بھی دیکھ لے پیارے کا آخری دیدار
یہ کہہ کے لاش اٹھانے لگے شہ ابرار تڑپ کے لیں علی اکبر نے ہچکیاں دو چار
نہ تاب درد کی لائے گزر گئے اکبر
پدر کے ہاتھوں پہ سر تھا کہ مر گئے اکبر

ادھر سے لاش اٹھا کر چلے امام امم ادھر خیام سے نکلے مخدرات حرم
پکاری سب کو یہ فضہ بصد ملال و الم ہوا شہید پسر بی بیو کرو ماتم!
عمامہ سر پہ نہیں پاؤں لڑکھڑاتے ہیں
حسین گود میں اکبر کی لاش لاتے ہیں

تڑپتی تھیں بی بیاں سر پیٹتی تھیں سیدانیاں کہ آئے بیٹے کی میت لیے امام زماں
پکاری کوٹ کے سینہ یہ زینب نالاں ارے میں لٹ گئی ہے ہے ہوا یہ کیا ساماں
جیوں گی اب نہ غم نو نہال میں بھائی
بتاؤ جان بھی ہے میرے لال میں بھائی

پکارے شہ کہ ہوا زینب انتقال ان کا لگی جگر پہ سناں تیروں سے تن ہے لال ان کا
کبھی نہ جائے گا تا زندگی ملال ان کا یہاں نہ آؤ چلا گھر میں دیکھو حال ان کا
اب اس قلق سے ہوا چاک پھر جگر زینب
حرم سے نکلی ہو بلوے میں ننگے سر زینب

حسین خیمے میں لاشہ شہید کا لائے حرم رسول کے سر پیٹتے ہوئے آئے
لٹا کے بیٹے کی میت یہ شاہ چلائے دکھاؤ زخم جگر ماں کو اے مرے جائے
گزر گیا ہے جو کچھ صدمہ و ملال کہو!
پھوپھی سے لو مری جاں اپنے دل کا حال کہو

بتاؤ تیر لگے ہیں جہاں جہاں بیٹا — چھدی ہے تیروں سے چھاتی کہاں کہاں بیٹا
بجھی عطش کہ ابھی خشک ہے زباں بیٹا — گزرے عقاب سے کیونکر کروں بیاں بیٹا
لہو کلیجے سے نکلا بہت کہ کم نکلا
ہماری گود میں کیونکر تمہارا دم نکلا

پکاری لاش پہ جھک کر یہ زینب ناچار — مرے شہید مرے دلربا مرے دلدار
خزاں ہوئی مرے پھولے پھلے چمن کی بہار — پھوپھی تباہ ہوئی، لٹ گئے شہ ابرار
میں اس جہاں سے نہ ہے ہے گزر گئی پہلے
تمہاری پالنے والی نہ مر گئی پہلے

بلائیں لاش کی لے لے کے ماں یہ چلائی — تمہاری خوں بھری صورت کے صدقے یہ دائی
تمہارے بدلے نہ ہے ہے مجھے اجل آئی — بتاؤ بوند بھی پانی کی مرتے دم پائی
پدر کی گود میں مقتل کی راہ سے آئے
گنوا کے جان ادھر قتل گاہ سے آئے

کچھ اب کلام کرو ماں کو اک نظر دیکھو — تڑپ رہی ہیں پھوپھی اک ذرا اُدھر دیکھو
تمہارے واسطے روتا ہے سارا گھر دیکھو — یہ وقت خواب نہیں آنکھ کھول کر دیکھو
سکینہ لپٹی ہوئی اشک خوں بہاتی ہے
اُٹھو اُٹھو تمہیں چھوٹی بہن جگاتی ہے

اب آگے تاب بیاں کی نہیں خموش نفیس — فغان و آہ کا مجلس میں ہے خروش نفیس
نہیں کسی کو غم شاہ دیں میں ہوش نفیس — بکا کا ذاکر و سامع کو اک ہے جوش نفیس
قیامت آ گئی لخت جگر کے مرنے سے
حسینؑ ہو گئے تنہا پسر کے مرنے سے

۸۶

پانچواں مرثیہ

در حال حضرت امام حسین علیہ السلام

(بند ۹۳)

شوکت مرے سخن میں ثنائے علیؑ سے ہے — عزت مرے سخن میں ولائے علیؑ سے ہے
حرمت مرے سخن میں عطائے علیؑ سے ہے — رفعت مرے سخن میں سخائے علیؑ سے ہے
مولا کے فیض وجود کی کچھ انتہا نہیں
دولت وہ دی کہ جس کو ابد تک فنا نہیں

توقیر دی سخن میں زباں میں اثر دیا — دامن کلام نو کا جواہر سے بھر دیا
شاخ نہالِ نظم کو شیریں ثمر دیا — نجمِ کمالِ فکر کو ضو بار کر دیا
اللہ رے حسنِ فیض امام انام میں
نور آگیا کلام فصاحت نظام میں

کیا بخششیں ہیں زوجِ جنابِ بتولؑ کی — کیا کیا نوازشیں ہیں وصیِ رسولؐ کی
عزت بڑھا دی خلق میں اُس ل طول کی — جو کچھ ثنا غلام نے کی وہ قبول کی!
حامی ہو جب جہاں میں امامِ زمن مرا
پھر کیوں نہ ہو پسند زمانہ سخن مرا

معجز ثنا کے فیض سے معجز بیاں بھی ہوں
رطب اللساں ہوں کہ میں شیریں زباں بھی ہوں
ظاہر میں اب ضعیف بھی ہوں ناتواں بھی ہوں
باطن میں زور طبع سے لیکن جواں بھی ہوں
جدت نے وقت نظم کے کب ہمدمی نہ کی
فکر بلند نے کبھی بڑھ کر کمی نہ کی

مصرع ہر اک ہے سرو گلستانِ افتخار
مضمون باغ خلد کے پھولوں کی ہے بہار
ہے چشم حور دائروں پر حرف کے نثار
نقطے ہیں اختر فلک عزت و وقار
جادو عجیب ہے سخن لاجواب میں
معنی ہیں لفظ میں کہ پری ہے حجاب میں

جو بیت ہے گندھی ہوئی موتی کی ہے لڑی
جنت میں چشم حور و ملک جس سے ہے لڑی
الماس کے نگوں سے چمک اس میں ہے بڑی
پُر نور بزم ہو گئی چھوٹ اس کی جب پڑی
الفاظ مثلِ انجم چرخ سارے چمکتے ہیں
آنکھوں میں اب تو دن کو ستارے چمکتے ہیں

اے شاہد سخن رخِ زیبا دکھا دے پھر
اے حور نظم قامتِ رعنا دکھا دے پھر
اے ذہن نخلِ طور کا جلوا دکھا دے پھر
اے فکر سیرِ عالمِ بالا دکھا دے پھر
پھر موردِ عنایتِ لطفِ الٰہ ہوں
پھر محوِ مدح شاہ فلک بارگاہ ہوں

لکھتا ہوں پہلے حمد خداوند بے نیاز
جس کے کرم سے کل بنی آدم ہیں سرفراز
بندوں پہ جس کا فضل و عطا روز و شب ہے باز
خلاق و بندہ پرور و رزاق و کارساز
قدرت دکھا دی کل ملک و انس و جان کو
پیدا کیا چھ دن میں زمین آسمان کو

ان سب سے پہلے خلق کیا مصطفےٰ کا نور
روشن ہوا زمانہ جب ان کا ہوا ظہور!
ہیں یہ رسولِ عالمیان رحمتِ غفور
بہتر ہیں سب انبیا سے ہیں اللہ کے حضور
ختم رسل ہیں شاہ زمان و زمیں یہ ہیں
فرمانروائے کشورِ دنیا و دیں یہ ہیں

کرتا ہوں اب ثنائے وصیِ حبیبِ رب
ابن عم رسولِ امم سید العرب
اعلیٰ جسے خدا نے دیے اُم و جدّ و اب
اب کہیے سب سے ہیں کہ نہیں افضل النسب
ان سے کسی رسول کا بہتر وصی نہیں
رتبے نبی کے رکھتے ہیں یہ گو نبی نہیں

محتاج پر غریب پہ شفقت اسی طرح
صبر و رضا و فقر و قناعت اسی طرح
اصحاب باصفا سے محبت اسی طرح
لب پر دعائے بخشش امت اسی طرح
احمد کی طرح حامیِ پیر و جواں یہ تھے
کیا رحمدل رسول تھے کیا مہرباں یہ تھے

اللہ کے ولی تو محمد کے ہیں حبیب
یہ آمر الادب ہیں یہ عالم کے ہیں ادیب
فصل الخطاب حجت حق ذی شرف اریب
ذی قدر، منبر شہ لولاک کے خطیب
واعظ جب ایسا بے بدل و حق پسند ہو
پھر کیوں نہ ان کا عرش سے پایہ بلند ہو

ہادیِ دیں واقدم الاسلام و حق پرست
کیا کیا نہ کافروں کو دم جنگ دی شکست
مانند مصطفےٰ وہی دربار میں نشست
احکام کبریا میں اسی طرح بند و بست
مقبول کردگار علیِ مرتضیٰ کے تھے
اشفاق میں قدم بہ قدم مصطفےٰ کے تھے

لہجہ وہی کلام کا تقریر بھی وہی — عزت وہی ادب ہی توقیر بھی وہی
اسلام کے رواج میں تدبیر بھی وہی — وقتِ دعا زباں میں تاثیر بھی وہی
نے شان کا نہ عز و جلالت کا فرق تھا
بس ایک فرق تھا تو رسالت کا فرق تھا

لکھتا ہوں اب مصائبِ سلطانِ اوصیا — اُٹھا جو سر سے سایۂ سردارِ انبیا
ظاہر ہے جو لعینوں نے ظلم و ستم کیا — آرام سے مدینے میں رہنے نہیں دیا
حالت ہوئی یہ غم سے شہِ دل ملول کی
آئے نجف میں چھوڑ کے تربت رسولؐ کی

واں بھی نہ باز آئے عداوت سے اشقیا — آزار صوم میں شہ ابرارؑ کو دیا
تربت میں روئے بہر علیؑ فخرِ انبیا — انیسویں کو سر پہ لگی تیغ بے خطا
اکیسویں کو دفن امام زماں ہوا
برج لحد میں مہر امامت نہاں ہوا

اب واقعہ حسینؑ کا کرتا ہوں میں رقم — کاغذ پہ فرط گریہ سے بڑھتا نہیں قلم
اعدا کے ان پہ سب سے زیادہ ہوئے ستم — سب کربلا میں باغ محمدؐ ہوا قلم
روئے ملائکہ بھی وہ دکھ بر ملا دیا
آل نبیؐ کو لوٹ لیا گھر جلا دیا

عاشور کی سحر کا لکھوں کس زباں سے حال — چلتی ہے دل پہ تیغ غم و صدمہ و ملال
ہے آفتوں میں عترت محبوب ذوالجلال — خیمہ میں تین روز سے پیاسے ہیں خرد سال
نہر فرات قبضۂ افواج شر میں ہے
پانی کا قحط ساقیٔ کوثر کے گھر میں ہے

سیراب و سیر اُدھر ہے سپاہ جفا شعار
فاقے سے ہیں اِدھر حرم شاہ ذی وقار
لشکر میں بھی حسینؑ کے پانی کی ہے پکار
سو اس لیے کہ پیاسے ہیں آقائے نامدار
ملتا نہیں ہے اذن شہ کائنات سے
کس طرح لائیں آب رواں یہ فرات سے

ڈیوڑھی پہ سب ہیں جمع عزیز و رفیق و یار
کمریں بندھی ہیں ڈاب میں ہے تیغ آبدار
رُخ سے ہر اک کے جوشِ شجاعت ہے آشکار
شوکت کے باغ کی در دولت پہ ہے بہار
جرأت فدا ہے اُن کے حواس اور ہوش پر
ترکش ہیں پہلوؤں میں کمانیں ہیں دوش پر

خادم لیے کھڑے ہیں سواروں کے سب سمند
پیدل بھی اک طرف ہیں شجاع و وغا پسند
تیغیں کمر میں ہاتھ میں ہیں نیزۂ بلند
ان میں کے پیر بھی ہیں جواں مرد و ہوشمند
یوں دیکھتے ہیں لشکر گمراہ کی طرف
جس طرح شیر مجمعِ روباہ کی طرف

کُرسی پہ جلوہ گر ہیں امامِ فلک جناب
ساطع ہے رُخ سے ضو کہ نہیں دیکھنے کی تاب
غُل ہے کہ دیکھو نورِ جگر بندِ بوتراب
چوتھے فلک سے آ گیا کرسی پہ آفتاب
کون و مکاں میں نور شہِ ارجمند ہے
پایہ انھیں کا عرش بریں سے بلند ہے

شوکت نبیؐ کی ہے رُخِ تاباں سے جلوہ گر
لشکر پہ اپنے مہر و محبت کی ہے نظر
زانو پہ ہے علیؑ کی رکھی صارمِ دوسر
حمزہ کی دوش اقدس اعلیٰ پہ ہے سپر
دونوں ہیں یہ جو سرورِ دنیا و دیں کے پاس
گویا ہلال و بدر ہیں مہرِ مُبیں کے پاس

حضرت سے عرض کرتے ہیں عباسؑ نامدار — تیار سب ہے لشکرِ سلطانِ ذی وقار
یہ سرفروش سمجھے ہیں سر پر سروں کو بار — حسرت یہ ہے کہ جلد ملے اذنِ کارزار
ایک ایک جاں نثار جری ہے دلیر ہے
بس اب سوار ہونے کی حضرت کے دیر ہے

فرمایا شاہِ دیں نے کہ غصہ میں تم نہ آؤ — چلتے ہیں ہم بھی رن میں ہمارا فرس منگاؤ
قاسم نے خادموں کو صدا بڑھ کے دی کہ جاؤ — ہاں ذوالجناحِ وارثِ دُلدل سوار لاؤ
آقا سے عزم رزم ہے قوم جہول کو
چڑھنا ہے رن پہ راکبِ دوشِ رسولؐ کو

حاضر ہوا سمندِ جگر بندِ بوتراب — کرسی سے اُٹھ کے آئے قریبِ فرس جناب
روشن قدم سے شہ کے ہوئے دیدۂ رکاب — اونچا ہوا سپہرِ شجاعت کا آفتاب
حیراں ملک ہیں اوجِ امام غیور پر
عیسیٰ ہیں آسماں پہ کہ موسیٰ ہیں طور پر

ڈیوڑھی پہ شاہزادوں کے جب آئے راہوار — عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ نامدار
بچّوں کو نوجوانوں سے پہلے کرو سوار — یہ ہیں جنابِ سرورِ مرداں کے یادگار
حملے کریں گے لشکر ابن زیاد پر
یہ بھی علیؑ کی طرح چڑھیں گے جہاد پر

بچے ہیں پر وغا کا تماشا دکھائیں گے — ہنس ہنس کے زخم تیغ و سناں تن پہ کھائینگے
یہ تیغچے جو کھینچ کے لشکر پہ جائیں گے — لاکھوں سے وقتِ جنگ نہ یہ منھ پھرائینگے
لڑکے لڑیں یہ ہے تو ہمارے گھرانے میں
ایسا کبھی جہاد نہ ہوگا زمانے میں

یہ سُنکے سب کو بازوئے شہ نے کیا سوار — گھوڑوں پہ اپنے اپنے چڑھے سب رفیق و یار
لشکر کے پیدلوں نے ادھر باندھلی قطار — آراستہ ہوئی سپہ فوج نامدار
خوش ہو کے ساکنانِ فلک دیکھنے لگے
جُھک جُھک کے اوجِ فوج ملک دیکھنے لگے

بڑھ کر دُرودِ قبلۂ کون و مکاں بڑھے — بچوں کے ساتھ اکبرِ عالی نشاں بڑھے
دہنی طرف عزیزِ شہِ انس و جاں بڑھے — بائیں طرف رفیقِ امامِ زماں بڑھے
اقبال دیتا جاتا تھا بوسہ رکاب پر
جبریل پر کا سایہ کئے تھے جناب پر

پہونچے اس احتشام سے رن میں جو شاہِ دیں — باگیں فرس کی روک کے ٹھہرے مجاہدیں
ہو جن مجاہدوں سے ضیا بار راہ دیں — اک آفتاب دیں ہے بہتر ہیں ماہ دیں
نورِ خدا کو دیکھ کے، سب کی زباں پہ ہے
قدرت خدا کی، تخت کو فوق آسماں پہ ہے

کیا باغ ہے کھلا ہوا اور کیا بہار ہے — ہیچ اس کے سامنے چمن روزگار ہے
خوشبو پہ جس کی بوئے ریاحیں نثار ہے — صحرا ہے عطر بیز ہوا اشکبار ہے
اللہ رے حُسن و رنگ زمیں کی سرشت کا
تھی ارض کربلا کہ مرقع بہشت کا

بندھتی تھیں یاں صفیں کہ لعینوں کے تیر آئے — نقارہ جنگ کا ہوا، بڑھ کر شریر آئے
یاں غیظ میں غلام جناب امیر آئے — غازی قریب سرورِ گردوں سریر آئے
یعنی رضائے حرب کے اُمیدوار ہیں
سبقت اُدھر سے ہو چکی ہم بیقرار ہیں

حکم جہاد شہ نے دیا نامور بڑھے　　صفدر یہیں سے تیغ دو دم کھینچ کر بڑھے
لشکر کے بیچ میں صفتِ شیرِ نر بڑھے　　لاشوں پہ لاشیں گرنے لگیں یہ جدھر بڑھے
حملوں سے فوجِ کفر کو پامال کر دیا
برسا کے تیغیں خون سے رن لال کر دیا

جو حق جہاد کا تھا وہ کرنے لگے ادا　　بڑھ بڑھ کے نوجوانوں سے پیروں نے کی وغا
آخر شہید ہونے لگے صاحبِ وفا　　پہونچے ہر اک کی لاش پہ مظلومِ کربلا
یہ حال تھا کہ آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے
لاشے اٹھاتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے

فضہ کھڑی ہوئی تھی جو در پہ چشم تر　　جا جا کے گھر میں دیتی تھی زینب کو یہ خبر
ہوتے ہیں قتل یاورِ سلطانِ بحر و بر　　لاشے اُٹھا کے لاتے ہیں خود شاہِ دیں ادھر
میت یہ ہر جری کی گئے ہیں اور آئے ہیں
لاشہ ابھی حبیب کا مقتل سے لائے ہیں

واں سب رفیق قتل ہوئے کام کر گئے　　سر رکھ کے پائے اقدس حضرت پہ مر گئے
تلواریں کھائیں زخم سہے خوں میں بھر گئے　　لڑ بھڑ کے فوجِ شام سے پیاسے گزر گئے
ذکر ان کی جنگ کا سحر و شام رہ گیا
خود اُٹھ گئے جہاں سے مگر نام رہ گیا

ہاں گریہ و بکا پہ ہوں آمادہ مومنیں　　مرنے کو اب چلے ہیں عزیزانِ شاہِ دیں
جن کا نظیر عالمِ ایجاد میں نہیں　　گل ہائے تازہ چمنِ ختمِ مرسلیں
درِ نجف ہیں لال امیرِ نجف کے ہیں
یہ ایک گھر کے چاند گہر اک صدف کے ہیں

پہونچے یہ رن میں تیغ بکف جب پئے جہاد　　بڑھ کر الٹ اُلٹ دی صفِ لشکرِ عناد
حملوں سے کانپتے تھے شجاعانِ بدنہاد　　دبتے تھے ان کی جنگ کی اقبال و فتح داد
آیا نہ فرق دستِ قوی کی صفائی میں
چُن چُن کے پہلوانوں کو مارا لڑائی میں

قہرِ خدا تھی ہاشمیوں کی جدال و جنگ　　ہر ضرب میں علیؑ کی لڑائی کا رنگ ڈھنگ
سردار بیحواس تو سالارِ فوج دنگ　　دہشت سے اُڑ گئے تھے شجاعوں کے رُخ سے رنگ
زندہ تھے جو وہ خوف سے گویا مرے ہوئے
لاشوں سے دشت بھر گیا خالی پڑے ہوئے

تھا میمنہ تباہ اُدھر میسرہ اِدھر　　آفت بپا اُدھر تھی قیامت بپا اِدھر
واں دست و پا قلم تھے سر اشقیا اِدھر　　نے امن اُس طرف نہ اماں کی تھی جا اِدھر
دونوں طرف تھا حال زبوں اہلِ غدر کا
واں معرکہ اُحد کا اِدھر جنگ بدر کا

لڑکے بھی وقتِ جنگ جوانوں سے تھے نہ کم　　پایا تھا زورِ دستِ یداللہ ذی حشم!
بڑھتے تھے ضیغمانہ دلیرانہ دمبدم　　بچپن میں تھا یہ حال کہ ہٹتے نہ تھے قدم
سب کاٹ کے گرا دیں صفیں کارزار کی
ساری تھی نیمچوں میں چمک ذوالفقار کی

تن کر جدال فوج کے اونچے بلوں سے کی　　جب کی برابری تو بڑے کڑبلوں سے کی
گہ راکبوں سے جنگ کبھی پیدلوں سے کی　　تلوار کمسنی میں قوی ہیکلوں سے کی
تحسین بھی تھی چار طرف مرحبا بھی تھا
تھا طنطنہ بھی مثلِ علیؑ دبدبا بھی تھا

جو نامور پرے سے بڑھا سر اڑا دیا جا کر کسی کا دستِ قوی تر اڑا دیا
ڈھال اس کی، اُس کا دوڑ کے مغفر اڑا دیا بازو کسی شریر کا بڑھ کر اُڑا دیا
ہنستے تھے دیکھ کر سروتن کی جدائی کو
لڑکے تھے کھیل جان رہے تھے لڑائی کو

جنگی پرے سپاہ کے سب خستہ حال میں تر کیے جو پہلواں بڑھے تھے وہ زیروزبر کیے
تیغوں میں چھوٹے چھوٹے سے سینے سپر کیے جو مرحلے جہاد کے تھے سب وہ سر کیے
دو چار طفل فوجِ خدا اس طرح لڑے
بارہ برس کے سن میں علیؑ جس طرح لڑے

پر حیف اُدھر تھی کثرتِ افواج روم و شام سیراب سب وہ اور یہ بے آب بے طعام
اک بار ان پہ ٹوٹ پڑے اشقیا تمام آخر یہ سب نمازی و غازی ہوئے تمام
جانوں کو راہِ حق میں فدا کرکے مر گئے
تاظہر واجبات ادا کرکے مر گئے

بیکس ہوئے امام زماں وا مصیبتا لڑ کا رہا نہ کوئی جواں وا مصیبتا
ہے چشم شہ سے اشک رواں وا مصیبتا ہے گھر میں شور آہ و فغاں وا مصیبتا
ماتم بپا خیامِ شہ بحر و بر میں ہے
اٹھارہ چاند چھپ گئے اندھیر گھر میں ہے

مغموم خیمہ گاہ میں آئے ہیں شاہِ دیں قد ہے خمیدہ سر کو جھکائے ہیں شاہِ دیں
تیغ علیؑ کمر سے لگائے ہیں شاہ دیں تشریف سب سے ملنے کو لائے ہیں شاہ دیں
اندوہ کا جو بار تنِ مضمحل پہ ہے
اک ہاتھ ہے کمر پہ اور اک ہاتھ دل پہ ہے

ماتم کی صف سے اُٹھ کے سب آئی ہیں بی بیاں　　برپا ہے صحنِ خانہ میں فریاد اور فغاں
گرد اہلبیت بیچ میں ہیں سرورِ زماں　　روتے ہیں اُن کے رونے پہ خود قبلۂ جہاں
اُٹھتے ہیں شعلے غم کے دلِ حق شناس سے
مُڑ مُڑ کے سب کو دیکھتے ہیں چشمِ یاس سے

فرماتے ہیں بہن سے لُٹا سب ہمارا باغ　　واحسرتا کہ بجھ گئے اس گھر کے سب چراغ
اک دل پہ آج داغ پہ ہم نے اٹھائے داغ　　ماتم سے تم کو اور نہ ہم کو ہوا فراغ
اس وقت تک سحر سے مُنھ اشکوں سے دھوئے ہیں
بیٹھی ہو ان کے لاشوں پہ تم ہم بھی روئے ہیں

اب تم سے اس غریب کی رخصت ہے اے بہن　　بیکس کی عنقریب شہادت ہے اے بہن
ایفائے وعدہ ہونے کی حسرت ہے اے بہن　　یہ سر مرا خدا کی امانت ہے اے بہن
رخصت ہو جلد منزلِ صبر و رضا کٹے
امت کے واسطے مرا سوکھا گلا کٹے

بولیں یہ سر کو پیٹ کے بنتِ ابوالحسنؑ　　کس طرح صبر آئے مجھے یا شہِ زمن
بھائی شہیدِ ظلم ہو، جیتی رہے بہن　　حضرت کٹائیں سر مرے بازو میں ہو رسن
تا شام قید ہو کے یہ خستہ جگر پھرے
بھائی کے سر کے ساتھ بہن ننگے سر پھرے

رونے لگے یہ سُنکے شہنشاہِ مشرقین　　برپا ہوا حرم میں قیامت کا شور و شین
آخر سبھوں سے مل کے برآمد ہوئے حسینؑ　　زینت دہِ فرس ہوا حیدر کا نورِ عین
ایسی ضیا بڑھی رُخِ پُر آب و تاب سے
جیسے کہ دھوپ پھیلتی ہے آفتاب سے

اللہ رے فیضِ نورِ شہنشاہِ خوش خصال — تسمے عناں کے خطِ شعاعی کے ہیں مثال
حُسنِ قدم سے دونوں رکابوں کا ہے یہ حال — اک اس طرف ہلال ہے اک اُس طرف ہلال
پُرنور زیں بھی ہے نثار اس جمال کے
اک آفتاب بیچ میں ہے دو ہلال کے

لی باگ ذوالجناح کو چھیڑا جناب نے — میداں کا رُخ کیا فرسِ لاجواب نے
کی سیر سوئے دشتِ قتال آفتاب نے — بخشی زمیں کو ضو خلفِ بوتراب نے
سب ارضِ پاک آئینۂ ماہ بن گئی
جنگل کی، مثلِ راہِ جناں راہ بن گئی

نعرہ کیا اُٹھا کے جو حیدر کی ذوالفقار — سینوں میں ہل گئے جگرِ فوجِ نابکار
جا کر قریبِ صف یہ صدا دی پھر ایک بار — اے لشکرِ یزید خبردار ہوشیار
ہم سے سوا نہ کوئی جری ہے نہ دلیر ہے
آیا وہ اب شجاع جو حیدر کا شیر ہے

ہم سے مقابلے کی کسی کو نہ ہوگی تاب — کوئی نہ دے سکے گا مری تیغ کا جواب
اُس کا پسر ہوں جس کا لقب ہے ابوتراب — مٹی تمھاری ہوگی مرے ہاتھ سے خراب
دیکھو گے بے نشاں یہ پرا، وہ پرا ہوا
سب خاک میں ملے گا یہ لشکر بھرا ہوا

ہم نے اُجاڑ دیں کفر و ضلالت کی بستیاں — ہم نے بدل دیں نیت اعدا کی ہستیاں
کیں دفع بت پرستوں کی سب بت پرستیاں — سرہنگ جتنے تھے انھیں دکھلائیں پستیاں
ہے فوق اپنے اور کو ہر کارزار میں
کس کس کو ہم نے زیر کیا گیر و دار میں

اتمامِ حق کے طور پہ حجت بھی کر چکا　　جو مجھ پہ فرض تھی وہ نصیحت بھی کر چکا
تم پر ادائے حکمِ شریعت بھی کر چکا　　دکھلا دی راہِ راست ہدایت بھی کر چکا
مانا نہ تم نے جب مرا کہنا یہ حال ہے
تلوار اب ہے بیچ میں بس اور جدال ہے

ہاں پہلوانِ فوج بڑھیں پیل تن بڑھیں　　جنگی ہوں جس پرے میں وہی صف شکن بڑھیں
ناوک کماں میں جوڑ کے ناوک فگن بڑھیں　　برچھیت بڑھ کے آئیں ادھر تیغ زن بڑھیں
نکلیں جو درعہ پوش بہت نامدار ہوں
دو چار، چار آئینے والے دو چار ہوں

اُس دم پکارا بڑھ کے بنِ سعدِ بدشعار　　لشکر میں جس قدر ہیں سوارانِ نامدار
کُل فوج سے نکل کے الگ باندھ لیں قطار　　فرزندِ مرتضیٰ سے لڑیں مل کے ایک بار
پیچھے ہٹیں نہ پاؤں، دم نام و ننگ ہے
گویا یہ جنگ حیدرِ صفدر کی جنگ ہے

ہر غول سے چھٹے کئی سو پہلوانِ فوج　　تیغ آزما و صفدر و نام آورانِ فوج
جاں باز و پیل ہیکل و رستم توانِ فوج　　لشکر کے آگے آگے جمے سب جوانِ فوج
عفریت کے قدوں سے قدوں میں نہ فرق تھا
ایک اک شریر لوہے کے دریا میں غرق تھا

ناگاہ کوسِ جنگ بجا اشقیا بڑھے　　آگے نشانِ لشکرِ اہلِ جفا بڑھے
چلّوں میں تیر جوڑ کے اہلِ خطا بڑھے　　تیغیں علم کئے ہوئے سب بے حیا بڑھے
یوں رُخ تھا فوجِ شام کا ذی جاہ کی طرف
جیسے سیاہ آئے گھٹا ماہ کی طرف

حضرت نے بھی نیام سے لی تیغِ شعلہ بار — حمزہؓ کی ڈھال دوش سے لی بہرِ کارزار
کی جست ذوالجناح نے لشکر پہ ایک بار — پہونچی سروں پہ سرورِ مرداں کی ذوالفقار
یوں کٹ کے اُن یلوں کے گرے سر زمین پر
جیسے گریں درختوں سے پھل سر زمین پر

ایک ایک پہلوان کے ٹکڑے اُڑا دیے — اندازِ حربِ قاتلِ مرحب دکھا دیے
وقفے نہ آگے بڑھنے کے اُن کو ذرا دیے — ادبخوں کے بل نکال دیے زور ڈھا دیے
دیکھا تو خاک پر مع خُود ان کے فرق تھے
لوہے میں جو تھے غرق وہ سب خوں میں غرق تھے

واں سے بڑھے جو باگ اٹھا کر سمند کی — گردن تھی زیرِ تیغ ہر اک سر بلند کی
راہِ گریز برچھیوں والوں پہ بند کی — کی جاں پسند تیغ نے ہر خود پسند کی
بچنے کی جا تناور و خود سر نہ پاتے تھے
سر کٹ کے گرتے جاتے تھے، ہاتھ اُڑتے جاتے تھے

اللہ رے حرب و ضرب شہنشاہِ انس و جاں — تھا امن کا پتہ نہ مفر کا کہیں نشاں
جا کر چھپی پناہ پہاڑوں کے درمیاں — کہتی تھی عافیت مجھے ملتی نہیں اماں
ہل ہل کے نخل گرتے ہیں ساکن زمیں نہیں
دنیا میں آج میرا ٹھکانا کہیں نہیں

تھی سیفِ مرتضےٰ کی چمک برق سے سوا — دیتا تھا صاعقہ حذر الموت کی صدا
جھنکار تیغ کی تھی کہ ضیحہ تھا رعد کا — تھا زلزلہ زمیں کو تزلزل میں تھے سما
سب کے گلے تھے دہشت و آفت کے طوق میں
ذی روح مُردہ بن کے گرے تھے تحت و فوق میں

آتش فشاں ہوئی جو وہ تیغ ظفر پسند جلنے لگے سوار بھڑکنے لگے سمند
پھیلی وہ آگ جس میں جہنم کی تھی گزند اُس تیز و تند خو کے جو شعلے ہوئے بلند
راہیں سب اوج کی کرۂ نار ہو گئیں
موجیں ہوا کی تیغ شرربار ہو گئیں

جوہر غضب تھے صارم نصرت مآب میں راہِ عدم کا سلسلہ تھا اُس کی ناب میں
شامل ہوئی تھی آتش برق اس کی تاب میں زہر عسل گھلا ہوا تھا اُس کی آب میں
مٹی میں لوٹتے بھی تھے خوں میں بھرے بھی تھے
سب زخم تن کے جلتے بھی تھے اور ہرے بھی تھے

کیونکر رقم ہو برشِ تیغِ شرِ اُمم مانند بید کانپتا ہے ہاتھ میں قلم
سر سیکڑوں قلم کئے تیزی ہوئی نہ کم مانند کلکِ خام کئے استخواں قلم
کیا لکھ سکے کوئی صفتیں بے شمار ہیں
کہنے کو ایک تیغ ہے جوہر ہزار ہیں

آئی جدھر کو حشر بپا کر کے اُٹھ گئی سر کو قلم کمر کو دوتا کر کے اُٹھ گئی
بیٹھی تو جان تن سے جدا کر کے اُٹھ گئی جب پر گری تو دم میں فنا کر کے اُٹھ گئی
اُس دن تھا کاٹ اُس کا نئے طور و قسم سے
روحیں بھی زخم کھا کے نکلتی تھیں جسم سے

اِس پار تھا فرس کبھی اُس پار تھا کبھی اک وار سے بڑھا ہوا اک وار تھا کبھی
لب پر اَنا ابنُ احمدِ مختار تھا کبھی ذکرِ جدال حیدر کرار تھا کبھی
یعنی یہ دو گھروں کی شجاعت کا زور ہے
مجھ میں امامت اور رسالت کا زور ہے

میں قوتِ قوائے رسالت پناہ ہوں　　میں طاقتِ علیؑ فلک بارگاہ ہوں
میں اوجِ آسمانِ شجاعت کا ماہ ہوں　　میں کشورِ جلالت و جرأت کا شاہ ہوں
آئی ہوئی بلا کو پلٹ دوں وہ زور ہوں
طبقہ ابھی زمیں کا اُلٹ دوں وہ زور ہوں

دریا کو حکم دوں تو وہ صحرا میں بہ کے آئے　　اس طرح جلد آئے کہ دم بھر نہ رہ کے آئے
پست و بلند ارض کی سب راہ سہ کے آئے　　سلطانِ بحر و بر کا موں تابع یہ کہہ کے آئے
بیڑا ہو موج، پیکرِ فرعون کی طرح
ہو جاؤ غرق لشکرِ فرعون کی طرح

خیر اس کی کیا سزا دوں جو مجھ پر کیے ستم　　تیغوں سے میرے باغ کو تم نے کیا قلم
اصغر کو مارا تیر سے یہ ظلم کیا ہے کم　　دھیان اس کا ہے کہ بیچ میں نانا کا ہے قدم
مرضی نبیؐ کی ہے کہ یہ پیاسا شہید ہو
امت نہ ہو تباہ نواسا شہید ہو

بس لڑ چکا نہیں مجھے حکمِ جہاد اب　　کہہ دو بڑھ آئے لشکرِ ابنِ زیاد اب
میں بھی ہوں اپنے ذبح کے ہونے سے شاد اب　　وعدہ وفا ہو جلد بر آئے مراد اب
مذبوحِ ظلم و جور و ستم تشنہ کام ہوں
میں بھی نثارِ امتِ خیر الانام ہوں

منظور جتنے مجھ پہ ہوں ظلم و ستم کرو　　تیغوں سے برچھیوں سے لہو میں مجھے بھرو
حق سے ڈرو نہ احمدِ مختار سے ڈرو　　راضی رضا پہ ہے یہ غریب اے ستمگرو
تم دو مجھے وہ دکھ جو کسی کو دیا نہ ہو
میں صبر وہ کروں جو کسی نے کیا نہ ہو

فرما کے یہ غلاف میں کی شہ نے ذوالفقار رکھی سپر بھی ہاتھ سے ٹھہرا کے راہوار
گھوڑے سے پھر کہا کہ نہ اب بڑھیو یہاں آ پہونچا وقتِ قتلِ حسینؑ اے وفا شعار
پیاسا گلا کٹے گا غریب الدیار کا
اب سر چڑھے گا نیزے پہ تیرے سوار کا

رونے لگا یہ سُن کے سمندِ امامِ دیں اور اُس طرف سے شمر بڑھا لے کے فوجِ کیں
تنہا کے گرد آ گئے حربے لیے لعیں تیغوں میں گھر گیا شہِ مرداں کا مہ جبیں
سینے پہ تیر شانوں پہ تلواریں چل گئیں
پہلو کے پار نیزوں کی نوکیں نکل گئیں

آغوشِ مصطفیٰؐ کا پلا اور یہ ظلم ہائے یاور شہید ہو گئے سب کون اب بچائے
دشمن ہیں وہ جو قتل کو ہیں تشنہ لب کے آئے واغربتا ہزاروں میں کوئی نہ رحم کھائے!
اُمت کے خیر خواہ سے یوں مُنھ کو پھیر لیں
اپنے نبیؐ کی جان کو تیغوں میں گھیر لیں

گھیرے ہوئے ہیں دشمنِ جاں آہ کیا کریں زخمی ہے راہوار بھی اب شاہ کیا کریں
چاروں طرف سے بند ہے سب راہ کیا کریں ملتی نہیں اماں شہِ ذیجاہ کیا کریں
دل کا لہو جو بہ گیا قوت نہیں رہی
گھوڑے پہ اب سنبھلنے کی طاقت نہیں رہی

گھوڑے سے لو نبیؐ کا خلف خاک پر گرا لو فخرِ مرسلانِ سلف خاک پر گرا
خورشیدِ آسمانِ شرف خاک پر گرا زہراؑ کا لال، دُرِ نجف خاک پر گرا
اعضا میں دُکھ تڑپنے سے فی الفور بڑھ گیا
زخموں میں خاک بھرنے سے درد اور بڑھ گیا

اب حالِ ذبحِ شہ کے بیاں کی نہیں ہے تاب جاری ہے چشم سے عوضِ اشک خونِ ناب
اُترا فرس سے شمر لعیں خانماں خراب بیٹھا قریب صدرِ امامِ فلک جناب
فریادیں اہلِ دشت کی تا چرخ سب گئیں
ایذا وہ دی کہ پسلیاں سینے کی دب گئیں

بولے تڑپ کے شمر سے مظلوم کربلا کاٹے گا سر بھی کیا مرا او دشمنِ خدا
بولا شقی یہ تیغ ہے اور آپ کا گلا فرمایا میں نے کون سی کی ہے تری خطا
دے گا اماں نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کو!
کیا بے گناہ ذبح کرے گا حسینؑ کو!

اُس نے کہا گناہ تو کوئی نہیں مگر لینا ہے مجھ کو خلعت و انعام و سیم و زر
فرمایا جل رہا ہے مرا پیاس سے جگر پانی کا ایک گھونٹ پلا دے تو ذبح کر
بولا کہ یہ ثواب بھی ہرگز نہ لوں گا میں
ساری زمیں ہو آب تو قطرہ نہ دوں گا میں

لکھا ہے جب حسینؑ نے پانی طلب کیا اک شخص انھیں میں کھا کے ترس نہر پہ گیا
جلدی سے بھر کے جام سوئے شاہِ دیں چلا یعنی کہ میں حسینؑ کو پانی پلاؤں گا
پہونچا تو خوں رواں تھا شہ مشرقین کا
قاتل کے دستِ نحس میں تھا سر حسینؑ کا

واں نوبتیں خوشی کی بجیں رن میں جابجا نکلے اُدھر خیام سے ناموسِ مصطفےٰ
فضہ تھی سب کے آگے کھلے سر برہنہ پا مجمع کو دیکھ کر یہ پکاری بصد بکا
ہٹ جاؤ راہ دو کہ تنِ پاش پاش پہ
آتی ہے بنتِ فاطمہؑ بھائی کی لاش پہ

زہراؑ کی بہویں بیٹیاں نکلی ہیں ننگے سر دیکھے نہ اس طرف کوئی، منھ پھیر لو اُدھر
پہونچے جو لاش شہ پہ یہ سب سوختہ جگر ماتم ہوا بپا تنِ بے سر کو دیکھ کر
گریاں وحوش و طیر تھے اس شورِ شین پر
جن و ملک بھی روتے تھے زینبؑ کے بین پر

چلّاتی تھیں کہ ہائے برادر ترے فدا اے نورِ عینِ ساقیٔ کوثر ترے فدا
جانِ علیؑ و جانِ پیمبر ترے فدا مذبوحِ تیغ و کشتۂ خنجر ترے فدا
پوشاک بھی رہی نہ تنِ چاک چاک پر
گریاں پڑے ہو دشتِ مصیبت کی خاک پر

ہے ہے بہن سے ہو گئے پردیس میں جدا ہے ہے مدینہ لٹ گیا یہ کیا غضب ہوا
ہے ہے تباہ ہو گئے ناموسِ مصطفےٰ وا حیدرا و وا حسنا و امحمّدا
اس گل سے تن کے ہائے یہ احوال ہو گئے
ٹاپوں سے راہواروں کی پامال ہو گئے

ہے ہے گلا یہ چاند سا تلوار سے کٹا ہے ہے یہ جسم خوں سے بھرا خاک میں اَٹا
ہے ہے یہ کیسی چھائی غم و درد کی گھٹا ہے ہے یہ حلقِ شمرِ لعیں کاٹ کر ہٹا
پانی بھی وقتِ نزع دیا یا نہیں دیا
آئی صدا گلے سے کہ قطرا نہیں دیا

بس اے نفیسؔ خستہ جگر روک لے قلم رونا غمِ حسینؑ میں ہو گا کبھی نہ کم
دکھلائے گی یہ آہ و بکا گلشنِ ارم آلِ رسولِ پاک کے ہیں سب غلام ہم
ہو گا جو ہولناک تو ہو روزِ نشر کا
کچھ باک کیوں کو باک نہیں ہولِ حشر کا

۷۸۶

چھٹا مرثیہ

در حالِ سفر و شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام

(بند ۱۵۱)

دشتِ غربت میں وطن سے شہِ دیں جاتے ہیں ساتھ سب غنچہ دہن ماہ جبیں جاتے ہیں
غل ہے کنعانِ امامت کے حسیں جاتے ہیں خاک ہونے کے لیے عرش نشیں جاتے ہیں
گلشنِ بادشہِ قلعہ شکن لٹتا ہے
جس میں جنت کی ہے خوشبو وہ چمن لٹتا ہے

اُٹھ گئے تھے جو زمانے سے رسولِ ثقلین دل کو تسکین تھی کہ ہیں فاتحِ صفین و حنین
بعدِ حیدر حسنِ پاک تھے شاہِ کونین مجتبیٰ جب نہ رہے سر پہ سلامت تھے حسین
خلق میں سبطِ نبیؐ نیّرِ تابندہ ہیں
ہم سمجھتے تھے کہ محبوبِ خدا زندہ ہیں

خاک اُڑتی ہے دمِ صبح سے ڈیوڑھی ہے اداس چار جانب ہے وفورِ الم و حسرت و یاس
سب جو روتے ہیں تو بچوں کے بھی دل کو ہے ہراس علی اکبر متردد ہیں مشوش عباس
دیکھ کر شاہ کو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں
باہر آتے ہیں کبھی، گھر میں کبھی جاتے ہیں

خادموں پہ ہے تقید کہ رہیں سب ہشیار   بار اونٹوں پہ کرو خیمۂ سرشاہ ابرار
جلد اصطبل سے کس کس کے سب آئیں رہوار   رہیں ناموس کے سب محمل و ہودج تیار
چھوڑ دو پردے، نہ محافوں کے اگر چھوٹے ہیں
اونٹ ہوں بائیں طرف دہنی طرف گھوڑے ہوں

لونڈیاں گھر سے لیے آتی ہیں اسباب سفر   رکھتے ہیں اونٹوں پہ فراش اسے لے جا کر
مستعد ہیں وہ جنھیں جانا ہے منظور نظر   کوچ کا شاہ کے اک شور ہے اندر باہر
غل ہے عرصہ نہیں شبیر کے اب جانے میں
در پہ رونق نہ وہ جلوہ ہے جلو خانے میں

سارا گھر ہے تہ و بالا صفت مجلس غم   کوئی چشم ایسی نہیں ہے جو نہ ہو اشکوں سے نم
دل پہ ایک ایک کے چھایا ہوا ہے ابر الم   یاس کا دور ہے اندوہ و الم کا عالم
شکل اپنی سحر ہجر جو دکھلاتی ہے
در و دیوار سے رونے کی صدا آتی ہے

حرم شہ میں ہے فریاد و بکا سے کہرام   بی بیاں آئی ہیں رخصت کو محلے کی تمام
سب سے رو رو کے گلے ملتی ہیں ہمشیر امام   ہاتھ مل مل کے یہ ہمسائیاں کرتی ہیں کلام
کیا قیامت ہے کہ ویران یہ گھر کرتے ہیں
ہائے اس گرمی میں شبیر سفر کرتے ہیں

علی اصغر کی طرف دیکھ کے شق ہوتا ہے دل   ہائے یہ پھول سا بچہ ہے سفر کے قابل
یاں سے کیا سوچ کے جاتے ہیں امام عادل   کسی جنگل میں نہ پانی ہو تو کیا ہو مشکل
غم سے بے چین محمدؐ کا خلف ہو جائے
کوئی معصوم نہ رستے میں تلف ہو جائے

سب سے فرماتی ہیں یہ دختر سلطانِ عرب
بی بیو کچھ مرا چارہ نہیں جز مرضی رب
خط یہ خط آئے ہیں کوفے سے طلب ہے طلب
یاں سے کعبے کی طرف قبلۂ دیں جاتے ہیں اب
کس کو معلوم ہے رحمت کہ الم دیکھیں گے
جو خدا ہم کو دکھائے گا وہ ہم دیکھیں گے

مجھ سے اماں نے یہ فرمایا تھا ہنگامِ وفات
دم سے اس لال کے تھی فاطمہ زہرا کی حیات
شہر سے نکلے جو گھبرا کے یہ عالی درجات
چھوڑنا ساتھ نہ شبیرؑ کا اے نیک صفات
دل پہ داغ اس کی جدائی کا لیے جاتی ہوں
میں ترے ہاتھ میں ہاتھ اس کا دیے جاتی ہوں

یہی اک بھائی ہے جس سے دلِ زینب کو ہے کل
یہ گیا گھر سے تو پھر کون ہے رحمت کا محل
دکھ یہ دکھ ہوئیں کہ آرام میں آجائے خلل
شہر آباد ہو صحرائے بلا ہو کہ جبل
منھ کو شبیرؑ کی خدمت سے نہ موڑوں گی میں
ساتھ فرزندِ پیمبر کا نہ چھوڑوں گی میں!

اب دعا مانگو یہ بہنوں کہ مبارک ہو سفر
پہونچے راحت سے جہاں جاتا ہے زہرا کا پسر
طے ہو آرام سے جو راہ ہے پُر خوف و خطر
راہ روکے نہ مسافر کی کوئی لشکر شر
سرخرو فاطمہ کے پھول چمن میں آئیں!
پھر مع الخیر حسینؑ اپنے وطن میں آئیں

بی بیاں روتی ہیں سن سن کے یہ زینبؑ کا بیاں
گود میں فاطمہ صغریٰ کو لیے بیٹھی ہے ماں
یہ تو ظاہر ہے کہ جاتے ہیں امامِ دوجہاں
پر ابھی اپنے نہ جانے کا نہیں حال عیاں
ہے گماں یہ کہ نہ بابا مجھے رلوائیں گے
ساتھ اپنے شہِ دیں مجھ کو بھی لے جائیں گے

ماں کا منہ دیکھ کے کہتی تھی کہ بیا تم پہ فدا گھر میں باہر سے ابھی کیا نہیں آئے بابا
کوچ میں سیدِ ابرار کے اب دیر ہے کیا دیکھ کر تم مجھے کس واسطے روتی ہو بھلا!
اب تو صحت سے ہوں منہ اشکوں سے دھونا کیسا
میں تو ساتھ آپ کے چلتی ہوں یہ رونا کیسا

میرا اسباب ابھی کیا نہیں بھیجا باہر ساتھ لے لیجیے ٹھنڈائی کی دوائیں مادر
نہ کراہوں گی نہ اب روؤں گی میں خستہ جگر ہے یقیں صحت کامل مجھے سنتے ہی سفر
اب تو طاقت بھی ہے کچھ فضل خدا سے مجھ میں
جان آ جائے گی جنگل کی ہوا سے مجھ میں!

دے گا طاقت مجھے معبودِ قوی، گو ہوں ضعیف پہلی منزل ہی میں ہو جائے گی مجھ کو تخفیف
بار ہوں گی نہ کسی پر کہ میں ہوں اب نحیف میرے باعث سے نہ فضہ کو بھی ہوگی تکلیف
تن رنجور میں طاقت کچھ اگر پاؤں گی
آپ منزل پہ میں خود رتھ سے اتر آؤں گی

سب کی راحت کا رہے گا مجھے رستے میں خیال کھانا کھلواؤں گی بابا کو ہلا کر رومال
جس جگہ راہ میں اتریں گے شہِ نیک خصال پاؤں ہاتھوں سے دباؤں گی خوشی ہوگی کمال
یہ سفر خوب ہے تحصیل سعادت کے لیے
بیٹیاں ہوتی ہیں ماں باپ کی خدمت کے لیے

کہا صغرا سے یہ بانو نے کہ صدقے مادر ہاں نقاہت سے تمھاری مرا ٹکڑے ہے جگر
تم چلو ساتھ تو اس سے ہے بھلا کیا بہتر مجھ سے کیا کہتی ہو مالک ہیں شہِ جن و بشر
دیکھیں اس شہر سے کس طرح نکلنا ہوگا
لے چلیں گے تمھیں آنکھوں پہ تو چلنا ہوگا

ذکر یہ تھا کہ شہ یثرب و بطحا آئے　　گھر میں غمگین و حزیں سید والا آئے
کہا مادر سے سکینہ نے کہ بابا آئے　　بولی بیمار کہ ہاں میرے مسیحا آئے
شہ نے زینب سے کہا اور قلق بڑھتا ہے
آؤ صغرا سے بھی رخصت ہوں کہ دن چڑھتا ہے

کہہ کے یہ آئے قریں فاطمہ صغریٰ کے امام　　کانپتے ہاتھوں سے بیٹی نے کیا اٹھ کے سلام
بولے سینے سے لگا کر یہ شہ عرش مقام　　بیٹھو بیٹھو کہ بدن ضعف سے لرزاں ہے تمام
جو مقدر میں ہے وہ رنج نہیں ٹلتا ہے
تپ میں تم جلتی ہو غم سے مرا دل جلتا ہے

کہہ کے یہ بیٹھ گئے پاس امام دو سرا　　بعد الحمد پڑھی آپ نے صحت کی دعا
نبض دیکھی تو ہلا کر سر انور یہ کہا　　کیا حرارت ہے عنایت کرے اللہ شفا
متردد ہوں میں، تپ ہے تمہیں ایسی صغرا
آج کیا تم نے ٹھنڈائی بھی نہیں پی صغرا

کہا صغرا نے کہ اس آپ کی شفقت کے فدا　　میں تو لونڈی ہوں نہ کڑھیے مری خاطر بابا
جلد اب شافی مطلق مجھے بخشے گا شفا　　پی نہ تبرید سحر کو تو سبب ہے اس کا
بے مزا منھ نہ حزیں خاطر ناشاد رہی
ساتھ جانے کی خوشی میں نہ دوا یاد رہی

مجھ کو حضرت کی محبت سے تعجب ہے مگر　　رات سے آپ نے پوچھی بھی نہ صغرا کی خبر
شہ نے فرمایا کہ سچ کہتی ہو اے جان پدر　　خبر اپنی نہیں اتنی ہے یہ تشویش سفر
ہیں وہ ہمراہ جو نازوں کے پلے ہیں صغرا
فصل گرمی کی ہے ہم گھر سے چلے ہیں صغرا

ہم جس آفت میں ہیں تم اُس سے نہیں ہو آگاہ آج کی رات عجب غم میں کٹی ہے واللہ
واں چلا ہوں کہ جہاں دوست نہیں ہے کوئی آہ مادر اس کے تمہارا ہے ملال جانکاہ
تم کو معلوم نہیں آج یہ گھر لٹتا ہے
تم سے ہم چھٹتے ہیں اور ہم سے وطن چھٹتا ہے

بس یہ سُنتے ہی چھری چل گئی غم کی دل پر زرد مُنھ ہو گیا ٹکڑے ہوا سینے میں جگر
دم الجھنے لگا ویراں نظر آنے لگا گھر کاروان الم آیا، ہوا راحت کا سفر
اشک رخساروں پہ آنکھوں سے رواں ہونے لگے
آہ کی ایسی کہ جو پاس تھے سب رونے لگے

گر کے بستر پہ یہ چلائی بصد آہ و فغاں ارے لوگو مجھے تھامو کہ چلی جسم سے جاں
یک بیک پھر گئی قسمت یہ ہوا کیا ساماں ہائے بابا مجھے کیا چھوڑ کے جاؤ گے یہاں!
میری فرقت ہوئی کس طرح گوارا بابا
بے اجل آپ نے بیمار کو مارا بابا

میں تو سمجھی تھی کہ لے جاؤ گے مجھ کو ہمراہ اب کھلا مجھ پہ کہ حضرت کو نہیں میری چاہ
خوب تدبیر مرے واسطے کی آپ نے واہ نہ رہی ہوں نہ رہوں گی میں اکیلی یا شاہ
سخت دل چاہیئے فرقت کا الم سہنے کو
دے چلے ہو مجھے ڈھنڈار مکاں رہنے کو

کہہ کے یہ کرتے کے دامن کو رکھا آنکھوں پر ہچکیاں لے لے کے رونے لگی وہ خستہ جگر
مُنھ سے دامن کو ہٹا کر یہ پکارے سرور ٹکڑے دل ہوتا ہے بس رُو نہ اے نور نظر
وہ تو ہوگا جو مقدر میں ہے دکھلائے گا
اس طرح رُوؤ گی بی بی تو غش آجائے گا

اس تپ و تاب میں کیونکر تمھیں لے جاؤں بھلا
ہر قدم خوف و خطر دھوپ کڑی گرم ہوا
اور بڑھ جائے مرض کچھ تو کروں راہ میں کیا
منع ہے حق میں مریضوں کے حرج اے صغرا
ساتھ لیتے جو توانا تمھیں پاتے بی بی
ایسے بیمار سفر میں نہیں جاتے بی بی

کہا صغرا نے کہ جو کچھ ہو گوارا ہے مجھے
قبلہ و کعبۂ عالم کا سہارا ہے مجھے
عرض کی تاب نہ اب صبر کا یارا ہے مجھے
ہجر کے صدمہ و اندوہ نے مارا ہے مجھے
جان آ جائے گی بستی ہو کہ صحرا ہووے
کیسی بیماری اگر پاس مسیحا ہووے

بولے پیشانی پہ منھ رکھ کے امام دو جہاں
کیا خفا ہو گئیں بابا سے تم اے راحت جاں
جا کے کوفے میں اگر مہلت نے دی ہم کو اماں
وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم کو بلائیں گے وہاں
دیر میں پہونچے سواری تو نہ گھبرانا تم!
ساتھ نانی کے مری جان چلی آنا تم

تم سے الفت نہیں بابا کو یہ بیجا ہے خیال
چند دن کے لیے جاتا ہے ید اللہ کا لال
خط میں لکھ بھیجیں گے بی بی تمھیں سب راہ کا حال
رہ میں گر بعد ہمارے تو قلق ہوگا کمال
یا تو عباسؑ کو فرزند کو یا بھیجیں گے
تب تو خوش ہوگی جو ہم تم کو بلا بھیجیں گے

گھر جو خالی نظر آئے تو نہ گھبرانا تم
دل کو ہمجولیوں سے کھیل میں بہلانا تم
چیزیں جو مرغوب ہیں تجھ کچھ انھیں منگوانا تم
ترک کیجیو نہ مرے سر کی قسم کھانا تم
شام کو صحن میں حجرے سے نکلنا بی بی
تپ جو اترے تو عصا لے کے ٹہلنا بی بی

کچھ ہو تخفیف تو لکھنا ہمیں اے نورِ نظر   دیتے جائیں تمھیں خواہش ہو کسی شے کی اگر
دل پریشاں ہو تو ام سلمہ کو لے کر   جائیو تم لحدِ فاطمہ پہ وقتِ سحر
جس میں آرام ملے تم کو وہ صورت کرنا
دم جو گھبرائے تو قرآں کی تلاوت کرنا

باتیں کرتے تھے یہ صغرا سے شہِ کون و مکاں   آئے جو اتنے میں ہمشکلِ رسولِ دو جہاں
دیکھ کر بھائی کو بولی وہ بصد آہ و فغاں   آؤ بھیا علی اکبر میں تمھارے قرباں
اپنا کچھ بس نہیں بابا تو ہمیں چھوڑ چلے
تم بھی اس خواہرِ ناشاد سے منہ موڑ چلے

ہو مبارک تمھیں ہمراہیِ سلطانِ زمن   ہم ہیں اور خانۂ ویراں ہے یہ اور رنج و محن
سب جہاں خار ہے بلبل سے چھٹا جب گلشن   نہ رہے پھول تو ہے خاک سے بدتر وہ چمن
کیا خوشی دل کو جو سامانِ طرب جمع نہ ہو
ہے یہ اندھیر کہ پروانہ تو ہو شمع نہ ہو

ہم تو مہماں کوئی دم کے ہیں جاؤ بھائی   اب یقیں ہے کہ ہمیں آ کے نہ پاؤ بھائی
بو مجھے زلفِ سمن بو کی سنگھاؤ بھائی   لوں بلائیں میں ذرا پاس تو آؤ بھائی
الم ہجر میں دنیا سے سفر کرتے ہیں
کوئی حسرت تو نہ رہ جائے کہ ہم مرتے ہیں

دیکھیے خیر سے اس شہر میں کب آؤ گے   بھائی پھر چاند سی صورت ہمیں کب دکھلاؤ گے
اپنی شادی میں بھی ناشاد کو بلواؤ گے   دیر میں آئے تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے
یہ وصیت ہے کہ تم گھر میں نہ جانا پہلے
سہرا لٹکائے مری قبر پہ آنا پہلے!

یہ جو صغرا نے کہا گھر میں ہوا شورِ بکا — روئے مل مل کے بہن بھائی تو اک حشر ہوا
ناگہاں ڈیوڑھی سے قاسم نے یہ دی شہ کو صدا — دن بہت آچکا اسوار ہوں اب دیر ہے کیا
فصل گرمی کی ہے اور کوس کڑے ہیں آقا
پردہ روکے ہوئے عباسؑ کھڑے ہیں آقا

اُٹھ کے شہ بولے خدا حافظ و ناصر صغرا — لو بس اب جاتے ہیں غربت کے مسافر صغرا
آؤ چھاتی سے لگا لوں میں تمھیں پھر صغرا — حق تعالیٰ ہے مرے حال سے ماہر صغرا
آپ سے کیا یہ پدر داغ دیے جاتا ہے
کوئی کھینچے ہوئے بستر سے لیے جاتا ہے

گھر سے روتے ہوئے باہر گئے سلطانِ امم — مل کے صغرا سے چلے ڈیوڑھی پہ سب اہلِ حرم
دی صدا حضرتِ عباسؑ نے با دیدۂ نم — ہاں قناتوں سے خبردار رہیں سب خدم
دخترِ فاطمہ زہرا کی عماری لاؤ!
پہلے دروازے پہ زینب کی سواری لاؤ

آئی ہودج کے جو نزدیک علیؑ کی دختر — خود عماری کے قریب آئے شہ دیں بڑھ کر
بند آنکھوں کو کئے تھے ملک و جن و بشر — مہتمم قاسم و اکبرؑ تھے ادھر اور ادھر
پردہ عباسؑ جدا عون جدا روکے تھے
شاہ خاتونِ قیامت کی ردا روکے تھے

گھر سے جاتے ہوئے اک دن تو یہ ساماں تھا آہ — ایک دن وہ تھا کہ تھی قید میں وہ خواہر شاہ
ہاتھ تھے رسّی میں اور گرد تھی ظالم کی سپاہ — ننگے سر طوق میں تھیں بھائی کے سر کے ہمراہ
ظلم یہ ظلم تھا واحسرت و دردا کیسا!
بال بھی رخ سے ہٹے جاتے تھے پردا کیسا

اس تجمل سے جو زینب ہوئیں محمل میں سوار — آئی اسواری بانوئے امام ابرار
دوڑی تھراتی ہوئی فاطمہ صغرا بیمار — لے کے ماں سے علی اصغر کو یہ بولی وہ زار
بوسے اس چاند سے ماتھے پہ ذرا دینے دو
ننھے بھیا کو مجھے پیار تو کر لینے دو

پھر گلے سے اسے لپٹا لے یہ بیمار و حزیں — ہائے کیا مجھے یاد آئے گا یہ ماہ جبیں
خالی دیکھوں گی جو گہوارہ تو جینے کی نہیں — ہٹ کے پھر پچھلے قدم کہنے لگی وہ غمگیں
دل پہ غم اس کی جدائی کا نہ آنے دوں گی
میں تو بھیا علی اصغر کو نہ جانے دوں گی

کہہ کے یہ چھاتی سے معصوم کو لپٹانے لگی — رکھ کے منھ چاند سی پیشانی پہ چپانے لگی
لب سے لب ملنے لگی زلفوں کو سلجھانے لگی — ماں قریب آ کے یہ بیمار کو سمجھانے لگی
بے مرے روئے گا غم دل پہ سہے گا بی بی
گھر میں بے دودھ یہ کس طرح رہے گا بی بی

کہہ کے یہ گود میں لینے جو لگی وہ دلگیر — چھوڑتا تھا نہ کسی طرح بہن کو وہ صغیر
دیکھ کر بیٹی کو رو کر یہ پکارے شبیرؑ — دو اسے کوچ میں اب ہوتی ہے صغرا تاخیر
اس کا دل کڑھتا ہے اشکوں سے جو منھ دھوتی ہو
کیا یہ اب گھر میں نہ آئے گا جو یوں روتی ہو

دے کے اصغر کو گری خاک پہ وہ کشتۂ غم — چڑھ کے ناقوں پہ روانہ ہوئے سب اہل حرم
جب نہاں ہو گئے آنکھوں سے شہنشاہ امم — بیٹھی گھر میں گئی فاطمۂ با دیدۂ نم
غم سے افسردہ ادھر شاہ زمن جاتے تھے
ساتھ روتے ہوئے سب اہل وطن جاتے تھے

شور تھا کوچہ و بازار میں یہ ہے سب مضطر
سب دکاں دار کھڑے پیٹتے تھے سینہ و سر
غل تھا اب کون شہِ یثرب و بطحا کی یہاں لے گا خبر
آج گویا ہے زمانے سے محمدؐ کا سفر
شہر ویراں ہے امامِ ازلی جاتے ہیں
شاہ جاتے نہیں دنیا سے علیؑ جاتے ہیں

ہو چکا قبرِ پیمبرؐ سے جو رخصت وہ جناب
ہاتھ اٹھا کے یہ کیا شہرِ مدینہ سے خطاب
اے مدینے تری خاطر مری آنکھیں ہیں پُر آب
قدم اٹھتے نہیں یاں سے مرا دل ہے بیتاب
گھر اٹھا کر کسی جنگل کو بسانا ہوگا!
اب یہاں سبطِ پیمبرؐ کا نہ آنا ہوگا

اے مدینے ترے والی کی ہے رخصت تجھ سے
اے وطن ہم کو جدا کرتی ہے غربت تجھ سے
اے زمیں چھٹتا ہے خورشیدِ امامت تجھ سے
اے دیار اب ہوئی مظلوم کو فرقت تجھ سے
گلشنِ یثرب پہ چھایا ہے خزاں آتی ہے
ہم نہیں جاتے اجل ہم کو لیے جاتی ہے

جب ہوا سبطِ پیمبرؐ کا سفر یثرب سے
چاند حیدرؑ کا چلا وقتِ سحر یثرب سے
ساتھ [illegible] یثرب سے
نکلے مظلوم شہِ جن و بشر یثرب سے
قبرِ حسنؑ تربتِ زہراؑ چھوٹی
گھر پہ گھر والوں کا چھوٹا فاطمہ صغرا چھوٹی

طرفِ خانۂ حق چلے گئے شاہِ دیں
رخِ روشن سے منور ہوئی کعبے کی زمیں
آ کے مولا سے ملے سب حرمِ اہلِ یقیں
سب سے جھک جھک کے ملا فاطمہ کا ماہ جبیں
غل اٹھا آج ہی ہے عبادت سے اطاعت شہ کی
حجِ اکبر کے برابر ہے زیارت شہ کی

آپ نے گھر میں خدا کے بھی نہ پایا آرام — حج سے محروم رہا وہ شرفِ رکن و مقام
جس حرم میں کہ ہے چیونٹی کا ستانا بھی حرام — واں رہے خوف و تردد میں شہِ عرش مقام
چھپ کے اعدا پئے قتل شہِ دیں آئے تھے
سیکڑوں حج کے بہانے سے لعیں آئے تھے

تین سو قافلۂ حاج میں پنہاں تھے شریر — سب میں تھی قتل امام دو جہاں کی تدبیر
کوفہ و شام سے آتی تھی یہ پیہم تحریر — طوف میں کاٹ لو سر شاہ کا یا کر لو اسیر
آلِ احمدؐ کے لہو بہنے کا وسواس نہیں
حرمِ کعبہ کی حرمت کا ہمیں پاس نہیں

حج کے نزدیک تردد میں رہے شاہِ انام — باندھ کر کعبۂ دارین نے کھولا احرام
حج کو عمرے سے بدلتے ہی بہ تعجیل تمام — راہیِ دشتِ مصیبت ہوئے کعبے سے امام
دھیان یہ تھا کہ یہاں قتل یہ ناشاد نہ ہو
حرمتِ خانۂ کعبہ کہیں برباد نہ ہو

متأسف وہ دو عالم کا شہنشاہ چلا — شہر سے منزلِ مقصد کی طرف ماہ چلا
کس تجمل سے وہ سب قافلہ ہمراہ چلا — لشکرِ قبلۂ اسلام بصد جاہ چلا
نور چہروں کے رخِ مہر کو شرماتے تھے
چاند کے ساتھ ستارے بھی چلے جاتے تھے

قدمِ ناقہ و رہوارِ رسالت کے نشاں — تھے ہلال و مہِ کامل کی طرح جلوہ کناں
دشت کی راہ تھی رشکِ روشِ باغِ جناں — جادہ کہتا تھا کہ میں نور میں ہوں کاہکشاں
باغِ زہراؑ کی مہک دور تلک جاتی تھی
دشت میں گلشنِ فردوس کی بو آتی تھی!

کیا لکھوں صفحۂ قرطاس پہ کیفیتِ راہ
پائے رفتارِ قلم وقتِ رقم سے ہے کوتاہ
وہ مہینوں کا سفر اور وہ گرمی کے دن آہ
منزلیں سخت نہ سایہ کہیں رستے میں نہ چاہ

دن مصیبت کے تردد میں بسر ہوتے تھے
شب کو بھی چین سے حضرت نہ ذرا سوتے تھے

وہ صعوبات سفر اور وہ رستے کا غبار
تھی بلندی کسی جا اور کہیں پستی کہیں غار
کہیں پہاڑ کہیں پتھر کہیں ریتلی کہیں غار
کہیں میدان کفِ دست اور کسی جا کہسار

وہ مصیبت کی راہ میں راحت نہ ذرا پاتے تھے
تھکے دل بیبیاں قدم پاک گھسٹے جاتے تھے

ثعلبیہ سے بڑھے جبکہ سرورِ جن و بشر
تھا مشوش بہت اُس روز علی کا دلبر
آئی جو مسلمِ بیکس کی شہادت کی خبر
غم سے دل ہل گیا تھرا گیا سینے میں جگر

ضبط مطلق نہ ہوا اشکوں سے منہ دھونے لگے
دیکھ کر حضرتِ عباسؑ کا منہ رونے لگے

فوج حضرت میں جو پھیلی یہ غم انگیز خبر
غل ہوا گھر گئے آفت میں شہِ جن و بشر
روتے تھے بیٹیاں کرکے مسلمِ بیکس کے پسر
اُن جنگل میں تھے سلطانِ پیمبر شب بھر

غم سے ناموسِ پیمبر کے لہو گھٹتے تھے
بین سے زوجۂ مسلم کے جگر پھٹتے تھے

اسی ماتم اسی غم میں ہوئی وہ شب جب بسر
صبح کو واں سے روانہ ہوئے شاہِ دلگیر
کئی دن تک رہے رستے میں پریشاں شبیر
جس کے مشتاق تھے آخر وہیں لائی تقدیر

مسکرا کر کہا مظلوم کا مقتل ہے یہی!
جس کی نانا نے خبر دی تھی وہ جنگل ہے یہی!

روک لو گھوڑوں کی باگیں کہ سفر ختم ہوا   آئے اب منزلِ مقصود پہ ہم شکرِ خدا
کھِل گیا غنچۂ دل دیکھتے ہی یاں کی فضا   واہ کیا سبزہ ہے کیا نہر ہے کیا سرد ہوا
دل خنک ہوتا ہے جس سمت نظر جاتی ہے
یاں کے ہر پھول سے فردوس کی بو آتی ہے

سُن کے یہ تھم گیا بس قافلہ سارا یکبار   اُترے گھوڑوں سے بصد شوق علیؑ کے دلدار
بولے ایک ایک سے ہنس کر یہ امامِ ابرار   سچ کہو کیسی فضا یاں کی ہے کیسی ہے بہار
یاں کی ویرانی میں رہنا کسے مطلوب نہیں
کس کو مطبوع ہے یہ جا کسے مرغوب نہیں

بولے بڑھ کر یہ رفیقانِ امامِ ذی جود   فخر اُس خاک کا جس پہ ہو شہ دیں کا ورود
باغِ جنت سے بھی کچھ لطف سِوا یاں کا ہے ورود   قابلِ وصف ہے یہ جا تو سزاوار درود
وہ ملا روح کو آرام کہ گھر بھول گئے
یاں قدم رکھتے ہی سب رنجِ سفر بھول گئے

دیکھ کر جانبِ صحرا علی اکبر نے کہا   اس سے بہتر کوئی دنیا میں نہیں نور کی جا
بولے مسلم کے پسر سرد ہے کیا یاں کی ہوا   عرض کی عون و محمد نے کہ اے عمِّ علا
صدقے آقا یہ ہوں اندر کو نہ ہوں پروار چلے
یاں کا میدان یہ کہتا ہے کہ تلوار چلے

کہا فرزندِ حسنؑ نے ہمیں سبزہ ہے پسند   بو وہ لہن کی چلی آتی ہے یہ صحرا ہے پسند
دل کو شادی ہے نہایت ہمیں یہ جا ہے پسند   بولے عباس علی شیروں کو دریا ہے پسند
دوری نہر کا صدمہ نہ سہیں گے ہم تو
دن ہیں گرمی کے ترائی میں رہیں گے ہم تو

سن کے یہ سب کے سخن زینب مضطر نے کہا یا شہ دیں مجھے ہرگز نہیں مرغوب یہ جا
پہلے یہ حال نہ معلوم تھا اب مجھ پہ کھلا کربلا نام ہے جس کا یہ وہی ہے صحرا
کئی دن تک یہیں خالق کے ولی روئے تھے
یہ وہی بن ہے جہاں آ کے علیؑ روئے تھے

کون سی اس میں ہے خوبی کوئی کر دے اظہار مجھ کو دکھلاتی ہے سامان خزاں یاں کی بہار
دیکھ کر یاں کی زمیں ہوتا ہے ٹکڑے دل زار خاک اُڑ آتا ہے کوئی صاف جب اُٹھتا ہے غبار
یاں کبھی خیمہ بپا کرنے کو کہنے کی نہیں!
لے کے بچوں کو میں اس دشت میں رہنے کی نہیں

بخدا ہے یہ جگہ خوف کی یا شاہ اُمم بچے ڈرتے ہیں درندوں کی صدا سے ہر دم
موجیں اس نہر کی آنکھوں میں ہیں شمشیر دودم دم بھرا آتا ہے چھایا ہے عجب ابر الم
دم الجھتا ہے پریشان ہوا آتی ہے
جس طرف سنتی ہوں رونے کی صدا آتی ہے

بہر حق بھر نہیں یاں سے اُتریئے کہیں دُور ہو نہ دریا، ہمیں جنگل میں ہے رہنا منظور
ہائے ان پھولوں سے بچوں کی حفاظت ہے ضرور سب سے کہہ دو کہ چلیں یاں سے پئے رب غفور
غم نہیں گر ہمیں ایذا سحر و شام ملے
ہو وہاں خیمہ جہاں آپ کو آرام ملے

شاہ نے محمل زینب کے قریب آ کے کہا اے بہن کچھ نہیں تشویش و تردد کی یہ جا
یہ زمیں رُتبے میں کعبے کی زمیں سے ہے سوا! عاصیوں کی جو دوا ہے تو مریضوں کی شفا
آگ سے قبر میں سینے کو بچا لیتی ہے
یہی طوفاں میں سفینے کو بچا لیتی ہے

وعدہ گاہِ خلفِ سیدِ لولاک یہ ہے — لائقِ سجدۂ عالم ہے بہت پاک یہ ہے
سُرمۂ دیدۂ ہر صاحبِ ادراک یہ ہے — جس کو شیشے میں نبی رکھ گئے وہ خاک یہ ہے
یاں جو کچھ ہوگا وہ سب تم سے کہیں گے زینب
حشر تک ہم اسی بستی میں رہیں گے زینب

شہر و صحرا ہیں یکساں ہے کہ حافظ ہے خدا — یاں اگر اترے تو کیا اور کہیں اُترے تو کیا
مال و زر والوں کو ہوتا ہے تلف کا دھڑکا — غربا کی وہی منزل ہے جہاں مل گئی جا
موت دامن کو نہ چھوڑے گی جدھر جائیں گے
ہر طرح زیست کے دس روز گزر جائیں گے

کہہ کے یہ بھائی سے فرمانے لگے عرش کے امام — محملوں میں حرمِ پاک ہیں بے چین تمام
جلد تجویز کہیں کیجئے خیمے کا مقام — جوڑ کر ہاتھ یہ بولا وہ علیؑ کا ضرغام
منتظر حکم کے تھے اس سے رُکے ہیں آقا
پہلے ہم خیمے کی جا سوچ چکے ہیں آقا

شہ نے فرمایا کہاں عرض کیا نہر کے پاس — بولے حضرت کوئی مانع نہ ہو اے نیک اساس
پھر یہ کی عرض کہ اے حامیٔ خضر و الیاس — آپ مختار ہیں دنیا کے ہمیں کیا وسواس
کس کی طاقت ہے جو اس امر میں انکار کرے
کھینچ لوں منہ سے زباں گر کوئی تکرار کرے

شہ نے کچھ سوچ کے فرمایا کہ اچھا اچھا — جو مناسب ہو جگہ واں کرو خیمہ برپا
سُن کے آیا لبِ جو دلبرِ ضرغامِ خدا — دی یہ حمالوں کو آواز کہ اب دیر ہے کیا
اونٹ خیموں کے کدھر ہیں انھیں لاؤ جلدی
کھول کر بار قناتوں کو لگاؤ جلدی

دوڑے یہ سنتے ہی خدامِ شہِ عرش نشیں　　صاف کرنے لگے فراش ترائی کی زمیں
لا کے حمالوں نے بٹھلا دیا ناقوں کو وہیں　　متوجہ ہوئے بڑھ کر رفقائے شہ دیں
قبۂ خیمۂ پُر نور جو سارا چمکا
آئی آواز کہ زینبؑ کا ستارا چمکا

خیمہ برپا نہ ہوا تھا کہ ہوا غُل برپا　　یک بیک آنے لگی فوج کے ڈنکے کی صدا
علی اکبرؑ نے خبردار سے مڑ کر یہ کہا　　رُخ کدھر فوج کا ہے جلد خبر دوڑ کے لا
یہ دو سُرخ نشاں یہ جو نظر آتے ہیں
اس طرف آتے ہیں یا اور کہیں جاتے ہیں

سُن کے یہ دوڑ گیا وہ صفتِ پیکِ نظر　　اور پھر آ مثلِ صبا لے کے یہ رستے سے خبر
کوفہ و روم و ری و شام کا ہے یہ لشکر　　ہیں جواں بیس ہزار ان میں مگر رُخ ہے اِدھر
بیرقیں کھولے ہیں باندھے ہوئے صف آتے ہیں
فصل گرمی کی ہے دریا کی طرف آتے ہیں

مثلِ ضیغم ہوئے برہم پسرانِ جعفرؑ　　علی اکبرؑ نے بھی لی ہاتھ میں شمشیر و سپر
تولے نیزے کو بڑھا راحتِ جانِ شبرؑ　　بھلے چھوٹے سے ہلانے لگے زینبؑ کے پسر
غیظ میں تیغ کے قبضے کو کبھی چومتے تھے
نہر پر شیر سے عباس علیؑ جھومتے تھے

ذکر یہ تھا کہ قریبِ گھاٹ کے آ پہنچی سپاہ　　دشت سب ہو گیا لشکر کی سیاہی سے سیاہ
فوج ہی فوج تھی جنگل میں جدھر کیجے نگاہ　　تنگ کثرت سے لعینوں کی ہوئی وسعتِ راہ
خوف سے امن کو بھی واں نہ اماں ملتی تھی
دور تک گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمیں ہلتی تھی

تول کر نیزوں کو بڑھنے جو لگے اہلِ ستم — علی اکبر نے صدا دی کہ بڑھانا نہ قدم
نصب ہوتا ہے ادھر خیمۂ سلطانِ اُمم — شبّر اُترے ہیں یہاں تم سے کہے دیتے ہیں ہم
صید ہو جاؤ گے بڑھ کر جو ادھر آؤ گے
پاؤں دریا پہ جو رکھا تو سزا پاؤ گے

روک کر گھوڑوں کو بولے بلخشونت وہ لعیں — کس نے روکی ہے یہ دریا کی ترائی کی زمیں
جا ہماری ہے یہ شاید تمھیں معلوم نہیں — جلد اٹھواؤ ترائی سے خیامِ شہِ دیں
شام تک دشت یہ سب فوج سے بھر جائے گا
یاں تم اُترے تو وہ انبوہ کدھر جائے گا

جا کے ریتی پہ رہو نہر سے تم کو کیا کام — پسرِ سعد کے اور شمر کے یاں ہوں گے خیام
گھاٹ کو روکنے آیا ہے یہ سب لشکرِ شام — بوند اس نہر کے پانی کی نہ پائیں گے امام
کثرتِ فوج سے یہاں یہ ترائی ہوگی
صبح سے شاہ پہ لشکر کی چڑھائی ہوگی

سُن کے یہ ہونٹ چبانے لگے عباس ادھر — جھوم کر دوش سے لی ہاتھ میں غازی نے سپر
شیر نے مُنھ جو ترائی سے نکالا باہر — گر پڑے ڈر کے لعیں ہل گئے سینوں میں جگر
دشت کانپا تو مکاں امن کا نایاب ہوا
موجیں ہٹنے لگیں دریا کا بھی دل آب ہوا

فوجِ ظلم کو صدا دی صفتِ شیرِ ژیاں — ہم کو دریا سے ہٹا دے کوئی کیا تاب و تواں
ہاں یہیں ہوگا بپا خیمۂ شاہِ دو جہاں — خوف کیا ہم کو جو لاکھوں ہیں ادھر بے ایماں
تول کر تیغ جو نعرہ تہِ افلاک کریں
تم تو انساں ہو پہاڑوں کا جگر چاک کریں

ہم پہ سر بر ہو زمانے میں کوئی کیا مقدور — اپنا تم خیمہ یہاں سے کہیں برپا کرو دور
منہ سے جو کہتے ہیں غازی وہی کرتے ہیں ضرور — ہم ہیں مختارِ دو عالم نہ سمجھنا مجبور
تم ہو کیا حکم اگر شاہ خوش اقبال کریں
شام کو چھین لیں اور کوفے کو پامال کریں

اپنی آنکھوں میں سماتے نہیں یہ فوج کے دل — آؤ میداں سے بڑھو سر پہ اگر آئی ہو اجل
قصرِ گردوں بھی گرے گر تو نہ چھوڑیں گے محل — غیر کا دخل نہیں نہر پہ اپنا ہے عمل
خوں کے دریا میں نہائیں گے صفیں توڑیں گے
مر کے بھی ہم نہ ترائی کی جگہ چھوڑیں گے

تم ہو کیا شمر ہے کیا اور پسرِ سعد ہے کیا — کھل گیا مکر تمھارا جو خطوں میں تھا لکھا
میہمانوں پہ اسی طرح سے کرتے ہیں جفا — پھر گئے یوں کہ نہ کی ایک نے وعدے پہ وفا
لے کے بچوں کو یہاں شاہِ امم آئے ہیں
تم نے جب ہم کو بلایا ہے تو ہم آئے ہیں

کہہ کے یہ غیظ میں عباسؑ علمدار بڑھے — واں سے بھی کھینچ کے تیغوں کو ستمگار بڑھے
ساتھ عباسؑ کے سب اور بھی جرار بڑھے — ہو کے بیتاب ادھر سے شہِ ابرار بڑھے
دی یہ آواز کہ بس آگے نہ جاؤ عباسؑ
میں قسم دیتا ہوں آؤ ادھر آؤ عباسؑ

ہاتھ ان پر نہ اٹھاؤ مرا مانو کہنا — اچھا اچھا تمھیں دریا کے کنارے رہنا
نہیں منظور مسلمانوں کے خوں کا بہنا — ابھی اعدا کا ہمیں جبر بہت ہے سہنا
ہے گوارا جو نہ پانی کا ہمیں جام ملے
ہم کو ایذا ہو انھیں کو کہیں آرام ملے

ان کی اس ہرزہ درائی کا یہی بس تھا جواب ۔ کیا سمجھ کر ادھر آئے تھے یہ سب خانہ خراب
آنکھ ضیغم سے ملائے یہ کسی کی نہیں تاب ۔ مل گئی سب کو سزا ہو گیا بس غیظ و عتاب
اتنا غصہ تھا بہت چشم نمائی کے لیے
جان کیا اپنی گنواؤ گے ترائی کے سبب

تم ٹھہر جاؤ سمجھ لیں گے ستمگاروں سے ہم ۔ ایک خیمے کے لیے وسعت صحرا نہیں کم
بچے روتے ہیں گرے پڑتے ہیں ناموس حرم ۔ چھوڑ دو نہر تمھیں روح مختار کی قسم
اصل دریا کی ہے کیا رحمت یزداں ہوں میں
مڑ کے غازی نے کہا تابع فرماں ہوں میں

کیا مجال اب قدم آگے نہ بڑھائے گا غلام ۔ عذر کیا بندۂ ناچیز کو جو حکم امام
ہاں یہ صدمہ ہے مگر روح یہ یا شاہ انام ۔ واں ہو اُس قوم کا مسکن جو ہمارا ہے مقام
پسر حیدر کرار لڑائی چھوڑیں!
دخل روباہوں کا ہو شیر ترائی چھوڑیں

کہہ کے یہ تھم تو گیا حیدر کرار کا شیر ۔ کھینچ کر رکھنے لگے اپنے گلے پر شمشیر
اشک بہتے تھے اور آنکھوں میں جہاں تھا اندھیر ۔ دونوں ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے سلطان دلیر
لے لیا تیغ کو اور اشکوں سے منھ دھونے لگے
اپنے بھائی سے لپٹ کر شہ دیں رونے لگے

ڈال کر ہاتھ گلے میں بہ محبت یہ کہا ۔ اے جگر بند علی میں تری جرأت کے فدا
ایک دم سے ہے تمھارے مرے جینے کا مزا ۔ بھائی مرجاتا میں تم ہوتے جو غربت میں جدا
خیر، جنگل ہے بہت دلبر زہرا کے لیے
اپنے شہدا کو گنوا [illegible]

اتنا کہنے پہ لعینوں کے یہ غصّہ یہ غضب ‏ جان زینب پہ تہیا ہوئی اے عاشقِ رب
تب کہاں ہوگے تم اے دلبرِ سلطانِ عرب ‏ زیرِ شمشیر مرا خشک گلا ہوئے گا جب
کون بھائی کے بچانے کو بڑھے گا بھائی
شمر جس دم مری چھاتی پہ چڑھے گا بھائی

روئے عباسِ علمدار بھی سُن کر یہ کلام ‏ بھائی کو لے کے ترائی سے پھرے شاہِ انام
بیچ میں آپ تھے اور گرد تھے انصار تمام ‏ غیظ سے سُرخ تھا عباسؑ کا رنگِ گلفام
تھا زبس پاسِ ادب بول نہیں سکتے تھے
شیر سے فوج کو پھر پھر کے مگر تکتے تھے

محملوں میں حرمِ پاک اُدھر تھے جو اداس ‏ کہا فضّہ نے یہ زینب سے کہ آئے عباسؑ
لائے بھائی کو ترائی سے شہِ رتبہ شناس ‏ دخترِ فاطمہ بولی کہ بلا لے مرے پاس
غم سے بیتاب بہن ہے ادھر آئیں جلدی
اپنی چھاتی سے سکینہ کو لگائیں جلدی

ہاتھ عباسؑ کا تھامے وہیں آئے شہِ دیں ‏ کہا زینب نے کہ قربان میں معصوم جبیں
خیر تو سب کی ہے اے فاطمہ کے ماہ جبیں ‏ میں نہ کہتی تھی کہ ہے مایۂ شر یاں کی زمیں
تم نہ آتے تو یہ آوارۂ وطن مر جاتی
آنچ بھائی پہ کچھ آتی تو بہن مر جاتی

آ چکے نہر سے جب یار سے عزّ و رفقا ‏ جلتی ریتی پہ ہوا خیمۂ شبیر بپا
کھنچ چکیں جبکہ قناتیں تو یہ اکبرؑ نے کہا ‏ لاؤ دروازے پہ جمازۂ بنتِ زہرا
کہیں جھٹکا جو نہ دے [illegible] کوئی [illegible]
[illegible]

ناقے بٹھلا کے جو خدام گئے سب باہر   رونق افزا ہوئے ناموسِ شہِ جن و بشر
جب اُترنے لگی ہودج سے علیؑ کی دختر   اس طرف اکبرِ ذیجاہ تھے عباسؑ اُدھر
قاسم و عونؑ تو پردے کا سرا تھامے تھے
دستِ ہمشیرِ امام دوسرا تھامے تھے

داخلِ خیمہ ہوئی جبکہ علیؑ کی دختر   آئے ہمراہ لیے سب کو شہِ جن و بشر
کھولی فرزندِ پیمبرؐ کے عزیزوں نے کمر   متردد بھی زبس زینبِ تفتیدہ جگر
دیکھ کر شہ کو وہ آوارہ وطن رونے لگی
بھائی کے سینے پہ منھ رکھ کے بہن رونے لگی

پانچویں تک تو ملا بے وطنوں کو آرام   ہوا پانی بھی بہم اور ہوئی تدبیرِ طعام
تھا چھٹا روز کہ آنے لگے آفت کے پیام   گھر گئے فوج کے نرغے میں شہنشاہِ انام
ہوا وہ دن جو بسر بابِ اماں بند ہوا
ساتویں شب تھی کہ بس آبِ رواں بند ہوا

آٹھویں آئی تو پیغامِ اجل آنے لگے   پھول باغِ اسداللہ کے مرجھانے لگے
پیاس کا رنج و الم غنچہ دہن پانے لگے   نالۂ اہلِ حرم تا بہ فلک جانے لگے
نکلی کچھ صلح کی صورت نہ صفائی ٹھہری
دہم ماہِ محرم کو لڑائی ٹھہری

رن میں جس دم شبِ عاشورِ محرم آئی   لوٹنے خانۂ زہرا سپہِ غم آئی
خبرِ فرقتِ سلطانِ دو عالم آئی   کھول کر گیسوئے مشکیں شبِ ماتم آئی
شاہ کو ذبح کی تکلیف زبس سہنی تھی
شب نے بھی شام سے پوشاکِ عزا پہنی تھی

رات بھر قبلۂ کونین رہے محوِ نماز　　گہ تضرع کبھی زاری تھی کبھی راز و نیاز
تھی یہ سجدے میں دعا حق سے کہ اے بندہ نواز　　تو وہ عالم ہے کہ پنہاں نہیں تجھ سے کوئی راز
غم نہیں کچھ مجھے گو دُکھ میں گرفتار ہوں میں
سہل کر ذبح کی سختی تو سبک بار ہوں میں

احتشامِ حرمِ سیدِ والا نہ رہے　　سر پہ رانڈوں کے یداللہ کا پالا نہ رہے
گھر میں زہرا کے اندھیرا ہو اُجالا نہ رہے　　آلِ احمد کا کوئی پوچھنے والا نہ رہے
کچھ سکینہ کی اسیری کا تاسف نہ کروں
آگ خیموں میں لگا دیں تو کبھی اُف نہ کروں

اس طرف محوِ مناجات تھے سلطانِ زمن　　اُس طرف صحن میں روتی تھی شہِ دیں کی بہن
ہاتھ تھے سوئے فلک اور یہ تھا لبِّ سخن　　رحم کر رحم کہ بیکس ہے یہ آوارہ وطن
پہلے تو خلق سے زینب کو اُٹھا لے یارب
بھائی کو ذبح کی ایذا سے بچا لے یارب

ناگہاں صبحِ شبِ قتل نمودار ہوئی　　نور پھیلا تو زمیں مطلعِ انوار ہوئی
آمدِ مہرِ مُبیں چرخ پہ یک بار ہوئی　　غم سے ذرّوں میں ہر اک چشم گہربار ہوئی
فرقتِ شاہ کی ایذا نہ کسی دل سے اُٹھی
شمع بھی اشک بہاتی ہوئی محفل سے اُٹھی

شاہِ دیں پڑھ کے نمازِ سحری گھر میں گئے　　اشک ریزاں حرمِ حیدرِ صفدر میں گئے
تن پہ ہتھیار سجے خیمۂ اطہر میں گئے　　سب سے ملنے کے لیے آلِ پیمبر میں گئے
پاس سے بی بیوں نے شاہِ زمن کو دیکھا
شہ نے حسرت کی نگاہوں سے بہن کو دیکھا

رو کے فرمایا خدا حافظ و ناصر زینب   سحر فرقت بیکس، ہوئی ظاہر زینب!
مرنے جاتا ہے یہ مظلوم مسافر زینب   تم سے قسمت نے چھڑایا ہمیں آخر زینب
حفظ حق میں حرم شاہ ہدا کو سونپا
سب کو سونپا تمھیں اور تم کو خدا کو سونپا

آؤ مل لیویں گلے، وقت جدائی ہے قریب   پھر ملاقات کی مہلت نہیں ہونے کی نصیب
رنگ نیرنگی عالم نے دکھایا ہے عجیب   سیکڑوں دشمن جاں ایک یہ مظلوم غریب
آج فریاد کناں قبر میں حیدرؑ ہوں گے
عصر کے وقت بہن ہم تہ خنجر ہوں گے

سب سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے امام عالم   عقب شاہ چلے پیٹتے سر اہل حرم
در دولت سے برآمد ہوئے سلطانِ امم   پے تسلیم عزیز و رفقا ہو گئے خم
چڑھ کے رہوار پہ جب سیّد ابرار بڑھے
علم فوج خدا لے کے علمدار بڑھے!

کس تجلی سے ہوئے وارد میداں شہ دیں   نور سے چہروں کے روشن ہوئی مقتل کی زمیں
تول کر نیزہ و شمشیر بڑھا لشکر کیں   قتل ہونے لگے انصار شہ عرش نشیں
تھا جو ایک ایک جری عاشق و شیدائے حسینؑ
جو گرا گھوڑے سے لاش اس کی اٹھا لائے حسینؑ

پھر عزیزوں کے لیے آئے اجل کے پیغام   تڑپے خون میں سب باغ علیؑ کے گلفام
روئے اکبرؑ کے بھی لاشے پہ شہنشاہِ انام   دوپہر میں ہوا سب لشکر شبیر تمام
پھر تو غمخوار کوئی جز الم و یاس نہ تھا
ظہر کا وقت جب آیا تو کوئی پاس نہ تھا!

وہ مصیبت وہ قلق اور وہ دکھ درد وہ غم　　اکیلی زار و ضعیف اور بہتّر کے الم!
وہ کڑی دھوپ وہ پیاس اور وہ اغیار کے ستم　　علی اکبرؑ نہ علمدار نہ لشکر نہ علم

خونِ دل آنکھوں سے اس غم میں نہ کیونکر بہہ جائے
اس سے پوچھو جو ستمگاروں میں تنہا رہ جائے

مل سکے ناموسِ محمدؐ سے دوبارہ شہِ دیں　　آئے تولے ہوئے شمشیر سوئے لشکرِ کیں
خشمگیں مثلِ علیؑ تیغ بکف چیں بہ جبیں　　ایک نعرے میں لرزنے لگی مقتل کی زمیں

سامنے فوج کے اس عزّ و شرف سے آئے
سب نے جانا کہ علیؑ ارضِ نجف سے آئے

وہ جلال اور وہ رعبِ رخِ سلطانِ امم　　خوف سے ہٹنے لگے لشکرِ اعدا کے قدم
دبدبہ دیکھ کے جھک جھک گئے ہر صف میں علم　　ہیں یہ اقبال کے معنی کہ نشاں ہو گئے خم

تیغ ابرو سے گری برق ستمگاروں پر
چل گئے وار سرِ دہر کے جفاکاروں پر

کھینچ کر تیغ جو آئے صفِ اول کی طرف　　کوند کر برق گری شام کے بادل کی طرف
آتشِ تیغ بھڑکنے لگی جنگل کی طرف　　گرم بازار ہوا موت کا مقتل کی طرف

موت کو شعلۂ شمشیر دو سر نے کھینچا!
تیغ جانسوز نے چھوڑا کہ سقر نے کھینچا!

رن میں جب حشر بپا ہو گیا سر اڑنے لگے　　ہاتھ پھر کٹنے لگے تیروں کے پر اڑنے لگے
نیزے ڈھالوں کے ادھر اور ادھر اڑنے لگے　　قطرۂ خونِ عدو مثلِ شرر اڑنے لگے

[illegible] تیغ دو دم [illegible] آگ لگ گئی!
[illegible] ہوا بھاگ گئی

وہ چمک تیغ کی وہ شاہ کی شوکت وہ جلال — تھا عیاں چہرۂ انور سے محمدؐ کا جمال!
وہ تہور وہ دلیری وہ شجاعت وہ جدال — شیر سے آئے جدھر ہو گیا لشکر پامال!
جب دھنسے شام کے بادل میں تو چھر کر نکلے
مہر طالع ہوا جس غول میں گھر کر نکلے

گردشِ ساغرِ پُر نور نے ضو دکھلائی — فرسِ تیز نے اپنی تگ و دو دکھلائی
خمِ شمشیر نے شکلِ مہِ نو دکھلائی — جب اُٹھی شمعِ مہِ طور کی لو دکھلائی
اک اُجالا ہوا خورشیدِ فلک کے آگے
خاک میں مل گئی دھوپ اس کی چمک کے آگے

مثلِ افعی کسی موذی پہ جو چل کر آئی — خاک پر مر گئے گر اژدہ پہ سنبھل کر آئی
رنگِ ہستی کا لعینوں کی بدل کر آئی — سینے کے دم، پی کے لہو، زہر اُگل کر آئی
اُس کا منہ دیکھ کے ایک ایک سرک جاتا تھا
سر سے تا ناخنِ پا زہر چھٹک جاتا تھا

ابر کی طرح سے چھایا تھا لعینوں پہ ہراس — رنگ چہروں کا تھا کافور پراگندہ حواس
جان کے خوف سے بیٹے کو نہ تھا باپ کا پاس — اپنے بیگانے تھے آفت میں کہ تھی زیست سے یاس
ایک کو ایک نہ پاس اپنے جگہ دیتا تھا
نزع میں بھائی کی بھائی نہ خبر لیتا تھا

اُڑ گئے طائرِ وحشی کی طرح فوج کے ہوش — نہ صدا تھی کہیں قرنا کی نہ شہنا کا خروش
عود برباد تو نقارۂ جنگی روپوش — جا بجا ڈر سے دُہل چُپ تو جلاجل خاموش
راہ دوزخ کی لیے فوجِ دغاساز کھلی
نہ مگر طبل کی بیٹھی ہوئی آواز کھلی

تھی خزاں دشت میں بدلی تھی ہوا رنگ اور — ہوئی وہ ہیئت تھی کہ یہ دیکھتا تھا اس کو بغور
سب تباہی کی علامت تھی تو بربادی کا طور — عزل کا اوج تھا اس فوج میں اور جور کا دور
ترل آشوب کا تھا یاں ہے ٹھکانہ میرا
غدر کہتا تھا کہ ہے آج زمانہ میرا

تشنگی میں یہ جدال پسر شیر الٰہ — تھا تزلزل میں زمانہ تہ و بالا تھی سپاہ
شور برپا تھا فرشتوں میں کہ سبحان اللہ — تھی یہ ہاتف کی ندا اے پسر زہرا واہ
یہ زمانہ اس پہ کہ دو روز کا پیاسا تو ہے
کیوں نہ ہو کس کا پسر کس کا نواسا تو ہے

آج کرتا ہے مباہات خدا اے دلبرا — تو نے اس ضعف میں پلٹا لاکھوں کا پرا
فوج خالی ہوئی لاشوں سے بیاباں کو بھرا — ہے یہ تاثیر لعاب دہن خیبر درا
آج شمشیر شجاعت کو جلا دی تو نے
ساری طاقت شہ مرداں کی دکھا دی تو نے

تجھ سا جرأت میں کوئی ہے نہ کوئی ہمت میں — تو نے صدقے کیا سب گھر کو مری الفت میں
عصر کا وقت ہے مشغول ہو اب طاعت میں — حلق کو تیغ سے کٹوا کے اب آ جنت میں
صادق القول ہے معبود کا ہے پاس تجھے
آب کوثر سے بجھا پیاس کہ ہے پیاس تجھے

تو ترے دوست ہیں نزدیک میں ہے گھر ان کا — حشر میں ہوگا نہ غمگیں دل مضطر ان کا
تیرے ماتم میں ہر اک شاکی ہے گریہ ان کا — خوب تجھے روئیں گے، ہے چشمہ کوثر ان کا
[illegible] خیں اور قصر ارم بخشیں گے
[illegible] بخشیں گے

سُن کے یہ شہ نے جھکایا سرِ تسلیم و رضا　　عرض کی میں تری اس بندہ نوازی کے فدا
ہے نہ فاقوں کی شکایت نہ عطش کی پروا　　اب نہ اولاد کا غم ہے نہ کچھ امت کا گلا
تو مددگار رہے گھر لُٹنے کا کیا دھیان کروں
لاکھ سر ہوں تو میں اس لطف پہ قربان کروں

کہہ کے یہ روک لی گھوڑے کی عناں حضرت نے　　اور رکھی میان میں تیغِ دو زباں حضرت نے
رُخ کیا پھر طرفِ فوجِ گراں حضرت نے　　ہاتھ اُٹھا کے یہ کیا سب سے بیاں حضرت نے
آؤ آغوشِ محمدؐ کا پلا حاضر ہے
بھیج دو شمر کو یہ خشک گلا حاضر ہے

تول کر تیغوں کو میداں سے جفاکار پھرے　　جوڑ کر تیر کمانوں میں کماندار پھرے
نیزے تانے ہوئے خونخوار و دل آزار پھرے　　ڈر کے جو بھاگ گئے تھے وہ ستمگار پھرے
ہو گیا کثرتِ اعدا سے اندھیرا رن میں
ایک مظلوم کو دو لاکھ نے گھیرا رن میں

جسم پر خنجرِ خونخوار برابر سے چلے　　تبر و تیر جفاکار برابر سے چلے
وار تلواروں کے ہر بار برابر سے چلے　　سیکڑوں نیزۂ کفار برابر سے چلے
تن سے احمدؐ کے نواسے کا لہو بہنے لگا
دو شب و روز کے پیاسے کا لہو بہنے لگا

قتلِ شبیرؑ سے کونین میں تھا حشر بپا　　جن زمیں پر، تو ملک چرخ پہ کرتے تھے بکا
اک طرف سینہ و سر پیٹ رہی تھیں زہراؑ　　اک طرف چاک گریباں تھے رسولِ دوسرا
پاس بیٹھے کے شہ قلعہ شکن روتے تھے
چھوٹے بھائی کی مصیبت پہ حسنؑ روتے تھے

آدمؑ و شیثؑ تھے ہمراہ نبیؐ گریہ کناں   حوریں تھامے ہوئے تھیں بازوئے خاتونِ جناں
دیکھ کر حالِ پسر کہتی تھیں با آہ و فغاں   کس طرح تم کو آفت سے بچائے یہ ماں
یہ تندی یہ جفا خلق کے محسن کے لیے
دکھ اٹھا کر تمھیں پالا تھا اسی دن کے لیے

اپنے سینے پہ سلاتی تھی یہ مادر تم کو!   دھوپ میں سائے سے لاتی تھی نہ باہر تم کو
چین زہرا نے دیا جاگ کے اکثر تم کو   چکّی پیسی ہے تو گودی میں لٹا کر تم کو
رنج کچھ دل پہ تمھارے کبھی آنے نہ دیا
گھر میں نانا کے بھی تنہا تمھیں جانے نہ دیا

تھا شب و روز تمھاری مجھے راحت کا خیال   ٹوٹتا بال جو گیسو کا تو ہوتا تھا ملال
پیرہن کا جو ہوا تنگ گریباں اے لال   دم مرا گھٹ گیا صدمے سے ہوا رنج کمال
آج تم خوں میں نہاؤ گے یہ معلوم نہ تھا
برچھیاں جسم پہ کھاؤ گے یہ معلوم نہ تھا

سن کے مادر کی پکار روتے تھے شاہ دوسرا   ناگہاں قلب پہ اک نیزۂ بیداد لگا!
خون چھاتی سے جو ابلا تو عجب حال ہوا   گر پڑے زینِ فرس سے پسرِ شیرِ خدا
شور لشکر میں ہوا تشنہ دہن کو مارا
ہاں بجیں طبل کہ سلطانِ زمن کو مارا

راوی لکھتا ہے دمِ قتلِ شہِ جن و بشر   دشت تھا تیرہ و تاریک بپا تھا محشر
نکلی خیمے سے اک آوارہ وطن کھولے سر   بال بکھرے ہوئے تھے رخ پہ ادھر اور ادھر
آہ جب کرتی تھی دل سینوں میں ہل جاتے تھے
ہاتھ بھی کانپتے تھے پاؤں بھی تھراتے تھے

شان و شوکت تھی علی کی تو محمدؐ کا جمال — تن خمیدہ الم و رنج سے تھا مثلِ ہلال
ہوش پردے کا نہ مطلق تھا نہ چادر کا خیال — یوں تڑپتی تھی بصد درد جو زخمی کا ہو حال

اُس کی فریاد سے دل کون سے بے چین نہ تھے
تیر چھریاں تھیں کلیجوں کے لیے بین نہ تھے

ہاتھ اُٹھائے کبھی جاتی تھی اِدھر گاہ اُدھر — کبھی گر پڑتی تھی اُٹھتی تھی کبھی پیٹ کے سر
لڑکی اک چھوٹی سی ہمراہ تھی بہنِ گوہر — ہائے بھائی جو وہ کہتی تھی تو یہ ہائے پدر

لب پہ یہ تھا مجھے مقتل کا بتا دے کوئی
کس طرف لاش ہے بھائی کی بتا دے کوئی

اے مسافر تری مظلومی کے خواہر ہو فدا — کس طرف لوٹتے ہو خوں میں وہ ہے کون سی جا
میرے عاشق مرے شیدا مرے بیکس بھیا — کیا بنی ہے کہ جو دیتے نہیں خواہر کو صدا

کوئی زینب کی خبر بھی نہیں لیتا بھائی
اب کچھ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا بھائی

سُن کے زینب کی یہ آواز پکارے سرورؑ — وائے کہاں پھرتی جاتی ہو بہن ہم ہیں اِدھر
ہے گلو گیر اجل تم تلک آئیں کیونکر — شمر ہے سینۂ زخمی پہ گلے پہ خنجر

سُن کے آوازِ بکا اور جگر کٹتا ہے
گھر میں تم جاؤ ہمارا تو گلا کٹتا ہے

ہائے زینب یہ برادر تری اُلفت کے فدا — روح کو کرتی ہے بے چین سکینہ کی صدا
تن سے خوں بہتا ہے سر جسم سے ہوتا ہے جدا — اور کچھ کرلو سکینہ کی طرف بہرِ خدا

نہ تہِ زانوئے جلاد یہ سینہ دیکھے
ذبح ہوتے ہوئے مجھ کو نہ سکینہ دیکھے

سُن کے یہ دوڑی برادر کی طرف زینبِ زار　　بولی ناشاد سکینہ کہ میں بابا کے نثار
پہونچیں لاشے کے جو نزدیک بہ چشمِ خونبار　　شمر کے ہاتھ میں دیکھا سرِ شاہِ ابرار
روکے چلائی کہ میں آنے نہ پائی ہے ہے
ہوگئی شہ کے سر و تن میں جدائی ہے ہے

ہائے اے کشتۂ خنجر یہ ہوا کیا ساماں　　تم سے ملنے بھی نہ پائی یہ بہن سوختہ جاں
پیٹ کر یہ جو کیا زینبِ بیکس نے بیاں　　اشک چہرے پہ ہوئے دیدۂ سرور سے رواں
پہلے تو دخترِ دلگیر کی جانب دیکھا
پھر بحسب یاس سے ہمشیر کی جانب دیکھا

بس نفیس اب کہ ہے مجلس میں بپا شیون و شین　　بات کی تاب نہیں سینے میں دل ہے بیچین
عرض کر شہ سے کہ اے ابنِ شہِ بدر و حنین　　ہو مری نظم بھی مقبول امامِ کونین
آبرو خلق میں اے بحرِ عطا پاؤں میں
جلد اس اپنی مشقت کا صلا پاؤں میں

انجمن محافظ اردو کے ماہانہ سلسلۂ اشاعت کی

پہلی کڑی

افکارِ نعشق۔ فرزدق ہند جناب نعشق کے چھ غیر مطبوعہ مرثیوں کا مجموعہ جو احباب و دوست حضرات کے مطالعہ سے ہرگز محروم رہنے کے قابل نہیں قیمت صرف دو روپیہ

دوسری کڑی

گلزارِ رشید۔ حضرت رشید مرحوم کے چھ منتخب مرثیے جو اس سے قبل نہیں چھپے تھے مرحوم کے بلاک کے ساتھ نہایت صحت کر کے چھاپے گئے ہیں ہر مرثیہ بے نظیر ہے قیمت صرف عہ

تیسری کڑی

وقارِ انیس۔ حضرت انیس کے سوا عہ دیگر غیر مطبوعہ چھ مرثیے مع سلام و رباعیات، مصنف کے بلاک کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں جو ہر حیثیت سے قابل دید ہیں قیمت صرف دو روپیہ

چوتھی کڑی

شعارِ دبیر۔ حضرت دبیر کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ سات مرثیوں کی جلد جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت صرف دو روپیہ

پانچویں کڑی

معیارِ کامل۔ مولوی علی میاں صاحب کامل کے سات غیر مطبوعہ مرثیوں کی جلد جو اپنی نظیر آپ ہی ہے اور صاحبان اشتیاق کے ایک طویل انتظار کے بعد شائع کی جا رہی ہے ضرور ملاحظہ فرمائیے قیمت صرف دو روپیہ

چھٹی کڑی

[illegible] جناب [illegible] مولوی [illegible] صاحب رضا مولانا سبط حسن صاحب [illegible] کے کلام کی چیز ہے قیمت صرف دو روپیہ

ساتویں کڑی

بہار مؤدب۔ سعدی ہند مداح اہلبیت جناب سید عسکری میرزا صاحب مؤدب لکھنوی مدظلہ کے چھ منتخب اور قابل دید غیر مطبوعہ مرثیوں کی جلد جس میں عشق و تعشق و رشید کی زبان اور ان حضرات کے کلام کا لطف کا حصہ پایا جاتا ہے قیمت ۲ روپیہ

آٹھویں کڑی

اذکار محسن۔ سلطان عالم واجد علی شاہ جمید لکھنوی، چھنگا صاحب حسین لڈن صاحب خورشید قاری یعقوب علی خاں نصرت۔ نواب سردار صاحب سرشار میر علی محمد صاحب عارف لکھنوی کے مرثیوں کا مجموعہ جو ہر حیثیت سے ادبی دنیا میں ایک قابل قدر اضافہ ہے قیمت صرف دو روپیہ

نویں کڑی

آثار عشق جناب سید حسین میرزا صاحب عشق مرحوم کے دو غیر مطبوعہ اور پانچ مطبوعہ مرثیوں کی جلد جس کا ہر مرثیہ قابل دید ہے اور عشق مرحوم کے خصوصیات کلام کا آئینہ دار، یہ ذخیرہ بھی ادب دوست حضرات کے مطالعے کے قابل اور کتب خانوں کی زینت ہونے کے لائق ہے، قیمت صرف ۲ روپیہ

(دسویں کڑی)

نگار نفیس میر نفیس مرحوم کے چھ غیر مطبوعہ مرثیوں کی جلد جس کا ہر مرثیہ اپنے مصنف کی طرح ہماری تعریف سے مستغنی ہے۔ قیمت صرف ۲ روپیہ

(گیارہویں کڑی)

مراثی میر۔ میر تقی میر مرحوم کے مراثی و سلام وغیرہ کا مجموعہ جو ادبی نیز تاریخی حیثیت سے اپنی نظیر آپ ہی ہے خوشنما جلد اور گرد پوش کیسا تھ قیمت صرف تین روپیہ

اطلاعِ عام

اگرچہ اس سے قبل ہم اس بات کا اعلان کر چکے ہیں لیکن بعض حضرات کے استفسار پر ہم پھر اس بات کو واضح طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ باوجود گرانی کی روز افزوں دشواریوں کے ہم نے اپنی شایع کردہ نیز آیندہ شایع ہونے والی کتابوں کی قیمت کے لئے یہ صورت قرار دی ہے کہ جو حضرات ہماری بارہ اشاعتوں کی قیمت یعنی مبلغ چوبیس ۲۴ روپیہ ہم کو پیشگی مرحمت فرما دیں گے اون کے لئے ہم خرچ ڈاک بالکل معاف کردیں گے اور صرف اصلی قیمت ادا کر دینے پر بارہ اشاعتیں اون کو بلا کسی مزید صرفہ کے برابر پہونچتی رہیں گی۔ اور جو حضرات ہر اشاعت بذریعہ وی۔ پی وصول کرنا پسند فرمائینگے اون کو دو ۲ روپیہ چھ ۶ آنے میں کتاب وصول ہوگی۔ اگرچہ خرچ ڈاک وپیکنگ کی قیمت آٹھ آنے سے کم نہیں ہوتی ہے لیکن ہم نے اس میں سے بھی دو آنے کا بار اپنے ذمہ لے لیا ہے اور اس طرح اپنے ذوق خدمت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر اگر ہم ادب دوست حضرات سے ادبی توجہ کے خواہشمند ہوں تو بظاہر بیجا تو نہیں معلوم ہوتا؟

مہتمم

منیجر انجمن محافظ اردو بک ڈپو

نیا محل — منصور نگر — لکھنؤ

باسمہ سبحانہٗ

حضرات ممبران دام مجدکم — سلام علیکم

جس نازک دور میں میں نے خدمت زبان و ادب کے سرانجام کا بیڑا اٹھایا ہے آپ سے پوشیدہ نہیں جو دینی اور ادبی خدمت انجام دے رہا ہوں اس کی بقا کسی حد تک واجب نہیں تو لازم ضرور ہے، غیر مطبوعہ کلام کی تلاش ایک طرف، صحت و ترتیب ایک طرف، اہم ترین شے یہ ہے کہ علاوہ دیگر اخراجات دفتر کے مستقلاً چھ سو روپیہ ماہوار فی قسط صرف ہوتا ہے۔

دسویں قسط (نگار نفیس) حاضر کر رہا ہوں۔ چندہ سالانہ مبلغ چوبیس ۲۴ روپیہ ابتک جناب نے ارسال نہیں فرمائے۔ براہ کرم جلد سے جلد ارسال فرما کے متشکر فرمائیے۔ مبلغ دو روپیہ فی کتاب قرار پانیکے بعد اور خرچہ ڈاک مرادی آٹھ آنہ بذمہ دفتر ہونیکے بعد موجودہ گرانی کو دیکھتے ہوئے قیمت بہت کم ہے اس ایثار کی قدر فرمائیے، بکثرت خطوط آپ حضرات کی خدمت میں حاضر کیے گئے مگر چندہ سالانہ تو درکنار جواب سے بھی سرفراز نہ فرمایا۔

اس سلسلہ زریں کی بقا کا راز کثرت ممبران و خریداران ہے اگر ہر ممبر انجمن محافظ اردو اپنے ذاتی اثر سے ایک نیا خریدار مہیا کر دے جو ہاں سلسلہ اشاعت کی ہر کڑی کو خرید لیا کرے تو سلسلہ مذکور کی بقا میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا مجھے قوی امید ہے کہ آپ حضرات خود چندہ ارسال فرماتے ہوئے ایک ممبر جدید کا ضرور اضافہ فرمائینگے۔ نتیجہ کلام میں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ جو جو مصائب اشاعت میں برداشت کرتا ہوں میرا ہی دل جانتا ہے میری امداد صرف یہ ہے کہ قیمت کتب یا چندہ باقی نہ رہے میرا فرض تھا کہ حالات سے مطلع کر دوں باقی آپکو اختیار ہے فقط

خیر طلب مہذب بقلمہ

یکم مارچ ۱۹۵۲ء

صدر انجمن محافظ اردو نیا محل منصور نگر لکھنؤ

مراثی میر

متعدد دشواریوں اور بکثرت مشکلوں کا مقابلہ کرنے کے بعد آج ہم یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ماہانہ سلسلہ اشاعت کی گیارہویں قسط مراثی میر ہوگی جس کے متعلق گذشتہ چند ماہ سے ہم ارادہ کر رہے تھے اور یہ قسط آیندہ ماہ مارچ میں انشاءاللہ یقینی شایع ہو جائے گی۔

اس اشاعت کی قیمت اگرچہ اس سے زائد ہوگی جو ہماری ماہانہ اشاعتوں کے لئے بالعموم اب تک رہی ہے لیکن اُس کا اثر ہمارے مستقل خریداران پر نہیں پڑے گا۔ قیمت مناسب رکھی جائیگی۔ ہمارے مستقل ممبران کے علاوہ جو حضرات خریداری کا ارادہ رکھتے ہوں وہ ہمکو جلد از جلد مطلع فرمادیں تو بہتر ہے۔

الملتمس

مہتمم

منیجر انجمن محافظ اردو بکڈپو لکھنؤ